AL-GREEB





ناول

دلفریب

حصۂ اوّل

یعنی

غدر ۱۸۵۷ء کے حالات ایک شریف خاندان کی تباہی بےبسی اور بیکسی کی تصویریں ظالموں کا ظلم مظلوموں کا صبر یتیمی اور مصیبت۔ شریفوں کی تباہی رذیلوں کی حماقت نیک اور بد اُستاد کا حال جھوٹے کیمیاگروں کے چٹکلے قماربازی کی قباحتیں حُسن عشق بچھڑوں کا ملاپ عیسائی مشنری لیڈیوں کی عیاری اور شریف دبیسوں کی خواری غرضیکہ آبِ زر سے لکھنے والی نصیحتیں

مُصنّفہ

جناب منشی محمد کامل صاحب نستعلیق غزنوی ہندوستانی سیکولیٹر مصنف نجم سحری ملّا دو پیازہ دلفریب۔ شام نرائن، رتی، یوسف جمیلہ و غیرہ وغیرہ

حسب فرمائش ملک فضل الدین صاحب ملک چنن الدین ملک تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی

منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زئیاں ——— بازار کشمیری

لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ گوراندتّہ مل کے طبع ہوئی

دفعہ چہارم ... (نوٹ۔ بوجہ گرانی کاغذ قیمت ۸؍ ہو گئی ہے) ۰۰ ۱ ہزار

اشتہار

ناول دلفریب حصہ اوّل

۱۸۵۷ء کے غدر کے حالات۔ ایک شریف خاندان کی تباہی۔ بے بسی اور بیکسی کی تصویریں۔ ظالموں کا ظلم۔ مظلوموں کا صبر۔ یتیمی مصیبت۔ شریفوں کی تباہی ذلیلوں کی حماقت۔ نیک اور بد اُستادوں کا حال۔ جھوٹے کیمیاگروں کے چکمے۔ قماربازی کی قباحتیں۔ حسن و عشق۔ بچھڑوں کا ملاپ۔ عیسائی لیڈیوں کی عیاری اور شریف بیبیوں کی خواری۔ غرضیکہ آب زر سے لکھنے والی نصیحتیں۔ قیمت ۸؍

ناول دلفریب حصہ دوم یعنی مس کیری کی عیاری صغرا اور بھگوانڈی کی چڑیا گھر دکھانے کے بہانے سے فراری۔ غریب صغرا اور بھگوانڈی کی آہ و زاری۔ گھر پہنچانے کی تیاری۔ دھوکے سے بیل گاڑی کی سواری۔ جانعالم کا دیوانہ پن۔ حکیم کا معالجہ۔ مرض عشق کی تشخیص۔ صغرا کی تلاش۔ مشاطہ۔ ماموں ممیری سے شادی کی تیاری۔ صغرا کا عشق۔ برات کی تیاری۔ اور دولھا غائب۔ جانعالم کا عیسائی ہونا۔ شیشوں کا استقبال۔ کالی میم کی مکاری۔ لونگ بیرڈ کی بے شرائی۔ بلیک ڈوگ کا حسب نسب۔ مس ہیوی کی شرافت۔ چوڑے چمار کی حماقت۔ بیٹے پولیس والوں کی لڑائی۔ ظالموں کا ظلم مظلوموں کا صبر۔ قیمت ۸؍

ناول دلفریب حصہ سوم یعنی مرزا سلطان احمد کا دعوے۔ مسٹر گڈمائینڈ کی چالبازی۔ پولیس والوں کی خوشامد۔ حماقت مسٹر جانعالم اور مسٹر سولومن کی روانگی۔ شیشوں کا سیر۔ زنانہ مدرسہ کا عجیب نظارہ۔ مس ہیوٹی کی پاک نفسی۔ عاشق و معشوق کی ملاقات۔ بلیک ڈوگ کی بدچلنی۔ رات کی لڑائی۔ بھاگ جانے کی تدبیریں۔ بہرہ کی امداد۔ ڈاکٹر انور علی صاحب کی ملاقات۔ رات کو فراری۔ چوکیدار کی بیداری۔ چلتی گاڑی میں سوار۔ بلیک ڈوگ کا ظلم۔ مس ہیوٹی کی شکایت۔ پادری لونگ بیرڈ کی کم عقلی۔ مس صغرا کی بیکسی۔ بلیک ڈوگ کی فرعونیت۔ بہرہ کی اسلامی ہمدردی۔ غیبی فرشتہ کی امداد۔ بلیک ڈوگ کی مرمت۔ دونوں عاشق و معشوق کی مخلصی۔ ڈاکٹر صاحب کی عنایت۔ غرضیکہ ایک جگر خراش قصہ۔ قیمت ۸؍

ناول دلفریب حصہ چہارم ڈاکٹر صاحب کی بیوی کی محبت۔ جانعالم کا والدین کو یاد کرکے رونا۔ ڈاکٹر صاحب کی غمخواری۔ دہلی جانے کی تدبیریں۔ تبدیلی لباس۔ زنانہ گاڑی کی سواری۔ انبالہ چھاؤنی اسٹیشن پر صغرا اور جانعالم کی گرفتاری۔ بلیک ڈوگ نے انسپکٹر پولیس اور اسٹیشن ماسٹر کی جھوٹ پنداری۔ عاشق و معشوق کا حوالات میں ہونا۔ ڈاکٹر صاحب کا آنا۔ لالہ مرلی دھر وکیل کی ہمدردی۔ انتہا کی ہمدردی و کوشش۔ عیسائیوں کا زور۔ لارڈ بشپ کی سفارش۔ مسٹر کیچن کا پاس مذہبی۔ جانعالم کی ضمانت۔ چیف کورٹ کے ججوں کا انصاف۔ صغرا کے باپ کی نالش۔ مسٹر گڈمائینڈ مجسٹریٹ کی پاک باطنی اور تو شیر وانی عدالت۔ صغرا کی مخلصی۔ جانعالم کی رہائی۔ عیسائیوں کی شکست۔ صغرا کی بیماری۔ جانعالم کی آہ و زاری۔ صغرا کا انتقال۔ جانعالم کا دیوانہ پن۔ صغرا کے خاندان کی بربادی۔ بھائی لیہ کا تذکرہ۔ بغدادی صاحب کی کرامت۔ جانعالم کی صحت۔ تحصیلدار کی لڑکی سے شادی۔ مصنف کتاب کی ضروری گذارش۔ اور قصہ کا خاتمہ۔ اگر یہ چاروں حصے پڑھ کر آپ خوش ہوں تو بلف پر قیمت واپس۔ قیمت ۸؍

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض حال

خاکسار کی تصنیف کی ملک نے جسقدر قدر کی وہ مصنف کی امید سے کہیں زیادہ ہے۔ سوانحعمری ملّا دوپیازہ - اس قلیل عرصہ میں ہزارہا چھپی - اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوئی - تاہم ملک ویسا ہی ابتک اُسکا شوقین ہے۔ ہندوستان کے ہر ایک حصّہ سے اُسکی مانگ ویسی ہی اب تک جاری ہے ؞

۱۸۹۲ء کی یادگار میں ایک نیا تحفہ قوم کی نذر کیا جاتا ہے۔ وہ زمانہ جاتا رہا جبکہ خیالی پرستان اور دیو و جن کے قصّے سن سنا کر دل خوش کیا کرتے تھے اب ملک کو ایسے قصّوں کی ضرورت ہے جن سے ملک اور قوم کو فائدہ پہنچے چنانچہ اسی بنیاد پر یہ ناول تیار کیا گیا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھانا ملک کے اختیار میں ہے۔ ہم بعض مصنّفوں کی طرح اپنے منہ سے آپ میاں مٹھو نہیں بننا چاہتے اس ناول کی خوبی ملک کی قدردانی سے معلوم ہو جاویگی۔ ہم ملک کی خدمت کو تیار ہیں اور انشاء اللہ جلد دوسری جلد ملک کی نذر کریں گے ؞

المشتہر

ہندوستانی سیکولیٹر

لے یہ کتاب بقیمت ۲ر لاہور کشمیری بازار میں فضل الدین ملک جیون الدین ملک تاج الدین ملک سے ملسکتی ہے



جانعالم کی سرگذشت

دیباچہ

ایک رات دس بجے کے قریب گرمی کے سبب میرا جی گھبرایا۔ چاہا کہ جامع مسجد کے نیچے میدان کی ہوا کھاؤں اور ہو سکے تو ٹھنڈی سڑک کا چکر لگاؤں۔ یہ دل میں سوچ لکڑی ہاتھ میں لے گھر سے نکلا شہر کی گلیوں میں سے دوڑتا دوڑتا خدا خدا کرکے میدان میں پہنچا۔ چودھویں رات کا چاند نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا آسمان صاف تھا ستارے گو روشن تھے مگر چاند کی روشنی سے چند چھپا رہے تھے۔ ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی سبزہ چاندنی میں عجب لطف دے رہا تھا سامنے لال قلعہ کی عمارت شاہجہان اور عالمگیر وغیرہ بادشاہوں کی یاد دلا رہی تھی۔ گھر سے یہ قصد کر کر نکلا تھا کہ ٹھنڈی سڑک کا چکر لگا کر جامع مسجد میں جاؤنگا۔ مگر اب بے اختیار جی چاہا۔ کہ پہلے جامع مسجد چلیئے۔ اور سب سے اونچی سیڑھی پر بیٹھکر بادشاہانِ عظام مغلیہ کے کارناموں پر نظر ڈالئے۔ اور ان رنگ رلیوں پر طبیعت لڑا کر ضرور اپنا دل خوش کیجئے جس سے خاندانِ مغلیہ کا آخری چراغ ابو ظفر اس قلعہ میں اپنا وقت عیش سے گذارتا تھا۔

میں تو سمجھا تھا - کہ گیارہ بجنے والے ہیں - سیڑھیاں سنسان ہوں گی اور
میں اپنے خیالات کو دوڑا کر خوب اپنا دل خوش کروں گا - مگر یہ چار آدمی کون بیٹھے ہیں
لباس تو غضب کا سفید ہے - کہیں کوئی جن بھوت نہ ہو لا حول ولا قوۃ - خدا کے گھر میں جن
بھوت کا کیا کام - غدر میں سینکڑوں آدمی شہید ہو گئے تھے - ضرور یہ شہید ہونگے -
(دل میں) بھاگ جاؤں - مگر اگر شہید نہ ہوئے اور ان میں سے کوئی واقف ہوا تو بڑی ہنسی
ہوگی - خدا کا نام لیکر آگے بڑھو :-

ایک شخص "السلام علیکم - میاں سپیکولیٹر!"

میں - (دل میں - یار خوب ہوا بھاگا نہیں یہ تو کوئی واقف نکل آیا - اور شکل کی طرف خوب
غور سے دیکھکر) "وعلیکم السلام - حضرت میں نے آپکو پہچانا نہیں" :-

وہی شخص "ہاں جناب آپ مجھ سے واقف نہیں - میں آپ کو خوب جانتا ہوں سوانح عمری
ملا دو پیازہ آپ ہی کی تصنیف ہے نہ - فارسی اخبار دہلی میں فلاں مضمون آپ ہی کا نہ تھا -
لاہور - کلکتہ - بمبئی میں آپ ہی کے تو مضامین چھپا کرتے ہیں" :-

میں "(کسی قدر شرمندہ ہو کر - دل میں کہکر یا خدا یہ کوئی مردہ ایڈیٹر تو نہیں ہے) نہیں جناب
وہ کوئی اور صاحب ہونگے - میں تو ایک غریب طالب العلم ہوں - اور مدرسۃ الخیر میں جو حبش خاں
پھاٹک میں ہے رہتا ہوں حضرت برائے خدا اپنا اسم شریف تو بتلائیے" :-

وہی شخص "سپیکولیٹر - تم کیوں چھپاتے ہو - ہم کیا کسی سے کہتے ہیں اور رکھی ہمارا نام
جو پوچھتے ہو تو بتائے دیتے ہیں اس کمترین کا نام جان عالم ہے"

جان عالم "(اپنے ایک دوست کی طرف اشارہ کر کے) سنا بھئی پانچاں آجکل کے نامہ نگار کسقدر
ڈرپوک ہیں - اور کیسا اپنے نام کو چھپاتے ہیں جیسا بلی اپنی گو کو چھپاتی ہے"

پانچاں "یار جانے دے (میری طرف اشارہ کر کے) یہ تو کوئی ملا نا معلوم ہوتا ہے" :-

میں "حضرات اگر مجھ بنیاز مند کے سبب سے آپکی گپ شپ میں کچھ خلل واقع ہوا ہو تو برائے
خدا مجھے معاف فرمائیے - لیجئے میں جاتا ہوں - خدا حافظ"

جان عالم "یار سپیکولیٹر - تمہارے جیسے آدمی کی صحبت کہاں نصیب ہوتی ہے - برائے
خدا تھوڑی دیر ہمارے پاس بیٹھ جاؤ"

پانچاں "بھئی کیا عمدہ سماں ہے - یار سرفراز کوئی کہانی سناؤ"

سرفراز - واقعی کہانی تو ضرور سننی چاہیئے۔ مگر دلسوز خاں شروع کریں تو بہت مناسب ہے۔
دلسوز خاں "۔ دوستوں کی خاطر کہانی کہنے میں مجھے کیا کلام ہے۔ مگر اگر جانعالم اپنی بیتی سنائیں تو اس وقت کی سیر کو دوبالا کریں۔"
جانعالم "۔ اپنی بیتی اور گذری سب سنا دوں۔ مگر"
پاٹنخاں "۔ مگر اگر کیا۔ میں سمجھ گیا۔ تم سپیکولیٹر سے ڈرتے ہو کہ کہیں اخبار میں نہ چھپواوے"۔
جانعالم "۔ نہیں نہیں سپیکولیٹر میرے دل و جان ہیں۔ اب تو میں ضرور اپنی سرگذشت بیان کروں گا"۔

جانعالم کی سرگذشت

مکتب ملا حسن

جانعالم "۔ یار و میرا باپ ایک اوسط درجہ کا آدمی ہے۔ ایک خادمہ اندرا ور ایک کہار ڈیوڑھی پر ہمیشہ سے رہا کرتا ہے۔ گو میرے والد کی اسقدر آمدنی نہیں ہے مگر اُن کو انتظام خانہ داری خوب آتا ہے۔ میں پانچ برس کی عمر تک عالم طفل میں رہا۔ اور جب تک کا حال مجھے یاد نہیں کہ کیا گذرا۔ مگر سنا ہے کہ میں چھٹپن میں غضب کا پیارا اور بلا کا خوبصورت تھا۔ عورت مرد اور خاصکر جوان لڑکیاں تو مجھ پر ایسے لٹو ہو جاتی تھیں کہ گھنٹوں اپنی گود میں بٹھا کر میرے بوسے لیتی تھیں۔ اور اپنے تئیں مجھ سے پیار کروایا کرتی تھیں۔ خیر بادشاہی کے دن تو اس طرح گذر گئے۔ اور اب میرے والدین کو میری تعلیم کی فکر پڑی"۔
والدہ - (میرے والد کی طرف منہ کر کے) "صاحب۔ اب لڑکے کی عمر چھ برس کی ہوئی اس کی تعلیم کا بھی کچھ فکر ہے"۔
والد "۔ بیگم تم کو تو یہی فکر ہے۔ میں ہزار ہا فکروں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ میں پہلے ہی سے سوچ رہا ہوں۔ میری سمجھ میں ملا حسن۔ جو شاہ تارا کی گلی میں رہتے ہیں۔ اس کی تعلیم کے لئے بہت مناسب ہیں۔ میں نے سنا ہے اُن کے پاس دو تین شریفوں کے بچے اور بھی پڑھتے ہیں"۔
والدہ - اوئے دور پار۔ میں اپنے بچہ کو یہاں سے چھ پیسے ڈولی پر تو نہ بھیجوں گی۔ خدا کی پناہ تم تو بڑے کنجوس ہو۔ ایک اُستاد نوکر رکھدو۔ یہیں ہماری بیٹھک میں بیٹھکر پڑھایا کرے گا"۔

والد۔ بیگم۔ تم کیا نادانوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ بھلا ایک تو خرچ زیادہ ہو جاویگا۔ آدمی کو اپنی بساط بھی دیکھنی چاہئیے۔ دوسرے تمہارے پہلو میں رہنے کے سبب بچہ کی تعلیم بھی اچھی طرح نہ ہو سکیگی۔ میرے نزدیک تو وہیں بھیجنا مناسب ہے۔ گلاب (خادم) پہنچا آیا کریگا۔ اور وزیرن (خادمہ) لے آیا کرے گی"۔

والدہ "بہت اچھا۔ جیسا مناسب ہو۔ مردوں کی سمجھ ہی تو ہے"۔

والد" گلاب گلاب۔ چل بھئی آج پیر کا مبارک دن ہے جانعالم کو مُلّا حسن کے پاس پڑھنے کو بٹھا آئیں"۔

گلاب "حضور بہت مناسب ہے۔ مگر کچھ مٹھائی وٹھائی"۔

والد" ارے ہاں خوب یاد دلایا۔ سوا روپیہ (عیسیٰ) کے خُرمے کھاری باؤلی سے جھٹ پٹ لا۔ اور میری والدہ کی طرف اشارہ کرکے کہا) لو جی جانعالم کے کپڑے بدل دو"۔

گلاب (تھوڑی دیر کے بعد) "جناب مٹھائی لے آیا ہوں"۔

والد" پیارے جانعالم ماشاءاللہ خوب دولھا بنے ہو۔ چلو بھئی آؤ چلیں"۔

راہ گیر۔ (میری طرف اشارہ کر کے آپس میں) "بھئی غضب کا طرحدار لڑکا ہے۔ ابھی تو بچہ ہے جب ہوشیار ہوگا تو دیکھنا کتنے ہی گھر برباد کرے گا"۔

والد۔ (مسجد میں) "مولوی صاحب السّلام علیکم"۔

مُلّا حسن" وعلیکم السّلام۔ آیئے مرزا صاحب۔ کیسے تشریف لائے"۔

مرزا" مولوی صاحب۔ یہ غلام آپکی خدمت میں حاضر ہے۔ براہ مہربانی اسکو قرآن شریف پڑھا دیجیے"۔

مُلّا" بسر وچشم۔ انشاءاللہ۔ برس ۲ دو برس میں حافظ بنا دوں گا"۔

مرزا۔ یہ کچھ شیرینی ہے۔ بچوں کو تقسیم کر دیجیئے گا"۔

گلاب۔ (چپکے سے) "بچہ وچہ تو یہاں کوئی نظر نہیں آتا۔ بھلا اس منحوس کے پاس کون اپنا بچہ بھیجنے لگا۔ خود ہی کھائے گا"۔

مُلّا نے نیاز دیکر دو خرمہ مجھ کو دیئے اور ۲ دو والد صاحب کو۔ اور ایک گلاب کو اور باقی اپنی چادر میں غڑپ چپو۔

والد" میں رخصت ہوتا ہوں۔ بچہ خدا کے سپرد ہے یا آپکے۔ پڑھانے لکھانے میں کچھ لحاظ نہ کیجیئے گا۔ ہڈیاں ہماری اور چمڑا آپ کا"۔

ملا حسن "- فی امان اللہ صاحبزادے کی طرف سے خاطر جمع رکھیئے"۔
والد "- پیارے جانعالم خوب دل سے پڑھو۔ اللہ حافظ"۔ اور السّلام علیکم کر کے رخصت ہوئے۔
والد کے جانے کے بعد میں کچھ آزردہ سا ہو گیا۔ مگر ملا حسن مجھ سے اس طرح باتیں کرنے لگے:۔
ملا حسن "- جانعالم دیکھوں تمہارا قاعدہ":۔
میں "- ملاحظہ فرمایئے جناب"۔ بغدادی قاعدہ ایک خوبصورت اطلس کے بستہ میں سے نکال کر دکھایا":۔
ملا "- آہا۔ یہ بستہ تو بہت خوبصورت سلا ہوا ہے۔ کس نے سیا ہوا ہے":۔؟
میں "- جناب امّاں جان نے"۔
ملا "- اخاہ تمہاری امّاں جان تو بڑی ہنرمند ہیں۔ جوان ہیں یا بڑھیا"۔؟
میں "- جوان بڑھیا کی تو خبر نہیں ابھی بیاری بیاری ہیں"۔
ملا۔ (منہ سے پانی بھر کر) "- سر کے بال کالے ہیں یا سفید":۔؟
میں "- کالے ہیں":۔
ملا "- تمہارے ابا جان تمہاری امّاں سے محبت کرتے ہیں؟"۔
میں "- بڑی۔ میں نے تو کئی دفعہ دیکھا ہے کہ مجھ کو زیادہ اُن کو پیار کرتے ہیں":۔
اس وقت ملا کچھ سوچنے لگا اور میری آنکھ میں اسکی نیت بد معلوم ہوتی تھی۔ پھر اُس نے کہا
ملا "- پڑھو بیٹا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آ۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج۔ ح۔ خ۔ وغیرہ":۔
میں "- بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آ۔ ب۔ ت۔ ث۔ ج۔ ح۔ خ۔ وغیرہ":۔
غرض ملا نے دو تین دفعہ سبق کہوایا۔ اور کہا کہ اب خوب یاد کرو۔ میں ذرا باہر ہو آؤں:۔

ملا گدائی کو چلے

ملا ایک دروازے پر پہنچکر کنڈی کھٹکھٹانے لگا۔ اندر سے ایک عورت نے کہا۔ "کون ہے بھئی۔" (دھیمی آواز سے)
ملا "- (ہائے کیا دلکش آواز ہے) میں ہوں حسن"۔
عورت "- آیئے اُستاد جی تشریف لایئے۔ آج تو آپ نے بڑی دیر لگائی":۔
ملا "- ہاں۔ ایک لڑکا ہمارے پاس آج شاگرد بیٹھا ہے اس واسطے دیر ہو گئی۔ (دو خرمے دیکر) لو یہ تمہارا حصّہ ہے":۔

عورت "- استاد جی - کتنا بڑا بچہ ہے - کیا آپ اُسے چھٹی دے آئے ہیں :- ؟

ملا "- کوئی پانچ چھ برس کا ہو گا مسجد میں اکیلا بیٹھا پڑھ رہا ہے ":-

عورت "- اوئی اوئی - مار ڈالا - پانچ چھ برس کا بچہ اور آپ اُسے اکیلا چھوڑ آئے ہیں - مَیں نے سُنا ہے کہ آپ کی مسجد تو ویرانہ میں ہے ":- ؟

ملا "- ہاں ہے تو بیشک ویرانہ - کل سے اُسے ساتھ لایا کروں گا "

عورت "- جی ہاں اُستاد جی ضرور ":-

تمسخر

یار روپ ناتھ کے کوچہ میں کریم نامی ایک مستری رہا کرتا تھا جسکی عمر تقریباً پینتالیس برس کی ہو گی اسکی پہلی بیوی مرگئی تھی اب اُس نے ایک عورت سے جس کا نام بلاقن تھا اور جو عمر میں پندرہ سولہ برس کی ہو گی نئی شادی کی تھی اِس مستری کا کوئی بال بچہ نہ تھا - صرف ایک بڑھیا ماں تھی - پہلی رات میں کریم مستری اور بلاقن کی جو گفتگو ہوئی وہ بڑی مزیدار ہے "

دلسوز خاں "- یار خدا کے لئے کیوں ترستاتے ہو - سُناؤ نہ ":-

مَیں "- سن لیجئے جناب ":-

کریم مستری "- پیاری میرا دل اور میری جان - میری طرف سے کروٹ لئے کیوں پڑی ہو ":-

بلاقن "- چپ - صدائے برنجاست ":-

کریم "- اے معشوقہ جہان - مَیں تو تمہارا غلام کا غلام ہوں - برائے خدا اس طرف مڑو ":-

سپیکو لیبٹر "- ارے آپکی دفعہ کہیں " زوجۂ جہاں " نہ کہہ دینا ":-

بلاقن "- چُپ گم سم ":-

کریم - ہاتھ سے اپنی طرف منہ موڑ کر - اس ظلم اور زیادتی کی بھی کوئی حد ہے - جانی اسطرف مُنہ کرو دیکھو تو سہی تمہارا پیارا اور تابعدار خاوند کس طرح تمہاری التجا کرتا ہے ":-

بلاقن - ہاتھ ہٹا کر اور تھا و تھو - ہمکو نہ چھیڑو - اللہ کی قسم تیری اماں سے کہہ دوں گی ":-

کریم - دھنسکر - ہائے میری جان اسقدر وحشت اور ایسی نفرت - تو خدا کیلئے بس اب نہ ترساؤ ":-

اور زبردستی اپنی طرف مُنہ موڑ کر لبِ شیریں کا ایک بوسہ لے ہی لیا :-

بلاقن "- اے مردوئے تو پاگل ہو گیا ہے - پرائی لڑکی سے کیوں ایسی باتیں کرتا ہے ":-

کریم "- میری جان تمہارے اس بھولپن کے صدقے - تمہاری اس ناز و ادا پر قربان - پیاری تم

اب پرائی نہیں ہو - میری بیاہی ہوئی ہو - اور تڑاق سے ایک بوسہ لیکر کمربند کیطرف ہاتھ بڑھایا ؛
بلاقن اپنا آزار بند پکڑ کر دلہنیاں چھپانے لگی - اور ساوئی اوئی کر کے چیخنے لگی - اور
میاں کریم ایکدفعہ ہی پلنگ سے نیچے ڈھرم ؛

کریم - ہاتھ جوڑ کر مگر دل میں خفیف " اے عروس جہاں اتنیو رحم کرو خدا کی قسم میرے جیسی
محبت والا خاوند دُنیا میں کسی کو نہ ملا ہوگا - خدا نے چاہا تو چند روز میں سونے میں پیلا کر دوں گا -

بلاقن - (ذرا ڈھیلی ہوکر) " اے تو ہمنے کہدیا ہمکو سونے دو - ابھی ایسی کیا جلدی پڑی ہے" ؛

کریم نے ذرا سہارا پاکر دائیں رُخسارہ کا ایک بوسہ لیا - اور آزار بند کی گرہ نہ کھولنے
پائے تھے کہ پاجامہ میں مُوت بیٹھے -

کریم بیچارے ایک تو پچاس کے پیٹے میں تھے - دوسرے یہ کشمکش کا وقت - لٹی گم ہوگئی -
اور چوکڑائی بھول گئے اور کچھ بن نہ پڑا تو خالی خولی وارے قربان جانے لگے - اور دو
گھنٹہ کے بعد کچھ ہوش آیا تو بلاقن کیساتھ اونے پونے نبٹے - خیر اس سے اتنا تو فائدہ
ہوا کہ بی بلاقن ذرا شرما شرما کر باتیں کرنے لگیں" ؛

بلاقن " ادلی ادلی - یا تو بائیں شوراشوری یا بائیں بے نکی - جب میرا ناک میں دم
کر رکھا تھا - اب ایسا بے دم ہو کر پڑ گئے - سُنتے بھی ہو" ؛

کریم " نہیں پیاری جاگ رہا ہوں - بھلا تمہاری جیسی بیوی بغل میں ہو اور نیند آئے اپنی
خوش نصیبی پر خدا تعالے کا شکر ادا کر رہا ہوں" ؛

بلاقن " ہاں ہاں تمہاری باتیں تو سب سُن لیں - سُنتے بھی ہو - میں تو پڑھا کرونگی" ؛

کریم " آہا - آپکو پڑھنے کا شوق ہے سُبحان اللہ - واہ کریم تیری کریمی کے صدقے - بیوی
بھی دی تو جوان - خوش اور خوش وضع - پڑھی لکھی - پیاری شوق سے پڑھو" ؛

بلاقن " کون پڑھائے گا - تم پڑھا دیا کروگے" ؛

سپیکو لیبٹر " اِنکے تو باپ نے بھی نہیں پڑھا" ؛

کریم (شرما کر) مجھ کو تو فرصت کم ہوتی ہے - اور آجکل کے ملانوں کا بھی کچھ بھروسا
نہیں - مگر والد (خدا اُن کو بخشے) کے ایک دوست ہیں ملا حسن - شاہ تارا کی گلی
میں رہتے ہیں - اُن سے کہوں گا" ؛

بلاقن " ہاں ضرور کہنا - میں گلستاں اور قرآن شریف ضرور پڑھا کروں گی" ؛

کریم۔ انشاء اللہ کل صبح ہی جاؤں گا۔ اور دل میں خوش کہ بیوی تو خوب پڑھی ہوئی ملی۔ صبح کو کریم ملا حسن کے پاس گئے ؞

کریم "چچا جان السلام علیکم"

ملا "وعلیکم السلام۔ آؤ بھئی کریم۔ مبارک ہو۔ کہو بیوی کیسی ملی"۔

کریم "چچا جان۔ آپ سے کیا چھپانا۔ چندے مہتاب و چندے آفتاب دیسوں انگلیاں دسوں چراغ۔ پڑھی لکھی۔ اسیواسطے آپکی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ فرصت کیوقت گلستان اور قرآن شریف اُسے پڑھایا کرو۔ بہت ضد کرتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ میرا سبق ناغہ نہ ہو۔ میں ہر طرح آپ کی خدمت کروں گا"۔

ملا۔ میاں کریم تمہاری بیوی کی کیا عُمر ہوگی"۔

کریم "چچا جان۔ کوئی پندرہ چودہ کی"۔

ملا "سبحان اللہ اِس عُمر میں اور گلستاں انشاء اللہ چند روز میں اُسے مولوی بنا دوں گا"۔

غرض جس نیک دل عورت کو اس غریب جالعالم کی تنہائی پر افسوس آیا وہ یہی بلاقن کریم سنتری کی پیاری بیوی تھی۔ اچھا اب ملا کا حال سُنیئے۔

ملا "او بلاقن پڑھو"۔

بلاقن "پڑھنا شروع کیا"۔

ملا۔ (ادھر اُدھر دیکھکر) آج بڑی بی کہاں گئیں ؟۔

بلاقن "اُن کی روٹی لیکر گئی ہیں۔ وہ اب دوپہر کو نہیں آتے امّاں جان وہیں مدد پر کھانا پہنچا دیا کرتی ہیں"۔

ملا۔ (دل میں۔ میدان خالی ہے) "آؤ پیاری بُلاقن ہم سے کیا چھپنا۔ چک سے باہر آ جاؤ۔ میرے پاس بیٹھ کر پڑھو"۔

بلاقن "اُستاد جی۔ یوں تو کچھ ڈر نہیں آپ باپ کے برابر ہیں صرف آنکھ کی شرم ہے مگر آپ تو مولوی ہیں آپ نہیں جانتے کہ باپ۔ بھائی۔ چچا یا ماموں کے سوا سب سے پردہ واجب ہے"۔

ملا "(آہستہ سے) اونھ۔ باپ کے برابر ہوں۔ تیرے خصم سے کچھ ہی بڑا ہوں گا مگر اُس سے زیادہ مضبوط ہوں"۔

ملا حسن دل میں سوچ رہا تھا کہ کسطرح اس عورت کو قابو کرے۔ کہ اتنے میں دروازے میں

آہٹ ہوئی مُڑ کر دیکھتے ہیں۔ تو کریم منتری کی ماں ہے۔ ملا کی سٹی گم ہوگئی اور ملانی نے خدا کا شکر یہ ادا کیا۔ غرض ملا حسن یہاں سے ادھورا سبق پڑھا کر روانہ ہوئے"۔

آنکھ لڑ گئی

دلسوز خاں "یار جانعالم بھئی تم نے کریم منتری کا وہ حال سُنایا۔ کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ اب اپنی کہو کہ تم پر کیا بنتی"۔؟

میں "گرمی کے دن ہیں۔ گیارہ بجنے والے ہیں عالم سنسان ہے۔ ہماری رفیق دو ایک چڑیاں ہیں جو اپنی مہین آواز سے چیں چیں کر رہی ہیں کبھی کبھی کوئی کوا بھی آواز لگا جاتا ہے۔ دو تین بدھنیاں اوندھی پڑی ہیں۔ ایک بوریا لپیٹا ہوا مسجد کے ایک کونے میں کھڑا ہے۔ ایک ٹوٹا ہوا چھا ہوا ہے۔ جس پر میں بیٹھا ہوا پڑھ رہا ہوں۔ پڑھ کیا رہا ہوں اپنی غم کی کہانی یاد کر رہا ہوں۔ اور کبھی کبھی بھوک اور ڈر سے اونگھ جاتا ہوں"۔

ایک آواز "کھس پھس۔ کھس پھس"۔

میں "یا الٰہی۔ یہ کیا اسرار ہے۔ یا خدا کسی آفت سے بچائیو"۔

آواز "دیکھو دیکھو بہن۔ ہے ہے! ایسا ذرا سا بچہ اس ویران مسجد میں اکیلا بیٹھا پڑھ رہا ہے"۔

جواب "ہیں! آپا جان۔ یہاں بچہ کہاں سے آیا۔ کوئی جن بچہ کی شکل میں نہ ہو"۔

میں "مسجد سے باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تمام طرف ویرانہ پڑا ہے۔ یا الٰہی یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں مسجد سے سو ایک گز کے فاصلہ پر ایک مکان شکستہ کھڑا ہے جس کی چھت پر دو خوبصورت لڑکیاں کھڑی ہوئی چھپر سے میری طرف دیکھ رہی ہیں سبحان اللہ کیا نقش و نگار ہیں۔ اور کیا چہرہ مہرہ ہے عارض گلگونہ پر جب آفتاب کی کرن پڑتی ہے بجلی سے آنکھوں میں گوند جاتی ہے ریشم کے موافق بال ہوا سے اُڑ اُڑ کر رُخ منور پر پڑتے ہیں اور ماہتاب پر گھٹا سی چھا جاتی ہے۔ (دم لیا)

پائینچاں "یار جانعالم۔ خدا نے تمہاری زبان میں غضب کی طاقت دی ہے خدا کے واسطے اِن پریوں کا کچھ حال تو اور سُناؤ"۔

میں "دونوں جوان گل رعنا ہیں شکل صورت سے دونوں سگی بہنیں معلوم ہوتی ہیں۔ بڑی کی عمر میرے خیال میں کوئی ۹ برس کی ہوگی اور چھوٹی کی چھ برس کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفلسی میں گھری ہوئی ہیں۔ کپڑے اگرچہ خاصے ہیں۔ مگر میلے ہیں گھنی پانتے

کیطرف کو بھی خیر ہی خیر ہے۔ مگر انکا حسن جلوہ طور کی طرح چمک رہا ہے۔ سچ ہے۔ کہ

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی

گلاب "۔ چھوٹے میاں۔ چھوٹے میاں۔ ہیں! تم اکیلے ہو"۔

میں "۔ ہا۔ نالائق نابکار اب آیا۔ اب بھی کیوں آیا"۔

گلاب "۔ میاں کام کو چلا گیا تھا۔ ابھی آیا تو بیگم صاحب نے آپ کی طرف بھیجا۔ اور وزیرن کو مسجد معلوم نہ تھی"۔

میں "۔ (گھر میں آکر) اماں جان آداب۔ (ادھر اُدھر دیکھکر) ابا جان کہاں ہیں"؟

والدہ "۔ واری جاں نعالم۔ ہاں صدقے گئی۔ پیارے تم اب تک کہاں تھے"؟

میں "۔ (آبدیدہ ہو کر) مسجد میں تھا۔

خیر والدہ صاحبہ نے خوب پیار کیا۔ پھر کھانا کھلایا۔ اور پنکھا جھلکر سلا دیا۔ گھنٹہ بھر کے بعد ابا جان تشریف لائے۔ میں اسوقت نیند میں تھا۔ مگر اماں اور ابا کی جو باتیں اسوقت ہوئیں وہ سب سُنتا رہا۔ مگر یار بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

دلسوز خاں "۔ اچھا کس طرح ذرا سناؤ تو"۔

میں "۔ جناب شرم آتی ہے"۔

سب کے سب "۔ یہ شرم کی کیا بات ہے ذرا سناؤ بھی"۔

میں (بہت اصرار کے بعد) "جناب کہتے ہوئے گو شرم آتی ہے۔ مگر خیر آپ فرماتے ہیں۔ میں بیان کرتا ہوں"۔

ایکدن دوپہر کو میں بیٹھا ہوا تھا کہ ابا جان باہر سے تشریف لائے۔

والدہ "۔ خیر ہو۔ آپ آج اسوقت تک کہاں رہے۔ لو اب بھی کھانا لاؤں کہ نہیں آج تو بہت دیر ہو گئی"۔

والد "۔ ہاں منگواؤ۔ کیا کہوں بہتیری جلدی کی مگر شاخ در شاخ ایسے کام نکلے کہ دیر ہو ہی گئی۔ وزیرن کو کہو نہ۔ کہ کھانا لائے"۔

والدہ "۔ سبحان اللہ۔ ایک بجنے کو آیا۔ وزیرن اب تک بیٹھی رہی۔ وہ روٹی لیکر اپنے گھر گئی۔ چار بجے تک آئے گی"۔

یہ کہکر خود اُٹھیں سلیقہ کیساتھ سفید دسترخوان بچھایا۔ پلاؤ۔ قورمہ چپاتیاں۔ آم کا مُربہ۔ سرکہ کی چٹنی ادرک کا اچار نہایت تمیز سے آگے رکھا۔ چلمچی آفتابہ لیکر ہاتھ دھلائے

اور سامنے بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگیں۔ اور چونکہ یہ بھی قریب تھیں مچھ کو بھی اکثر دفعہ
چھپک دیئے جاتی تھیں ؞

والد " خدا کی قسم بیگم آج تو تمپر عجیب جوبن ہے۔ یہ مسّی اور لاکھا غضب کر رہا ہے اور یہ کاجل کی دوڑے مارے ڈالتے ہیں اور گلاب جیسے رخسار پر یہ موتیوں کے بالے کیا بہار دے رہے ہیں۔ آؤ۔ آؤ۔ ذرا اور رے آن کر کان میں ایک بات تو سُن لو" ؞

والدہ۔ (دل میں خوش ہوکر) "صاحب کیئوں اسقدر بیقرار ہوتے ہو آخر میں کہیں بھاگی تو نہیں جاتی صبر سے پہلے کھانا تو کھا لیجئے اور کان میں بات سُننے کا مطلب تو میں خوب سمجھتی ہوں۔

والد۔ (ہنستی ہنستی آنکھوں سے دیکھکر) اچھا پیاری ہمارے پاس بیٹھکر کھانا تو ساتھ کھاتی جاؤ۔ تمہیں میری قسم" ؞

والدہ " حضور اگر آپ کو مجھے کھانا ساتھ کھلانا منظور ہوتا۔ تو سویرے سے نہ تشریف لاتے۔ بس اب آپ ہی نوش جاں کیجئے" ؞

والد " بیگم۔ تمہاری بے پرواہی تو غضب ڈھاتی ہے۔ میں سچ کہو کھانا کھا چکیں میرے بغیر" ؞

والدہ " آپکی بلا سے کھا چکی یا نہیں۔ اب کونسا کھانیکا وقت رہ گیا ہے" ؞

والد " اوہو۔ اب تک نہیں کھایا۔ خدا کیلئے میرے شریک ہو جاؤ۔ ہمیں کو کھاؤ جو ہمارا کہانہ مانو" ؞

والدہ " دور پار خدا تمکو بیسیا سو برس تک سلامت رکھے۔ اور تمہارے ساتھ ہی مجھکو موت دے۔ مجھکو تمہارے حکم سے کبھی انکار ہوا ہے۔ مگر کیا کہوں کہ اب بیوقت ہو گیا ہے۔ اور میرا جی نہیں چاہتا" ؞

والد۔ (ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے کھینچکر) "پیاری اب تو کھانا ہی پڑیگا۔ میں تو اکیلا ہرگز نہ کھاؤں گا" یہ کہا اور دونوں ہاتھوں سے موتھ پکڑ کر لبوں کا ———

سرافراز " کہتے کیوں نہیں کہ لبوں کا بوسہ لیا۔ کوئی چوری تو نہیں کی تھی کہ تم چھپاتے ہو" ؞

ملیں " ہاں حضرت لبوں کا بوسہ لیا۔ اور کیوں نہ لیتے۔ اگر تمہاری بیوی ایسی خوبصورت اور تمیزدار ہو تو تم بول نہ لو ؟ تم تو ایڑی چوٹی پر قربان جاؤ" ؞

سب ملکر " قہ قہہ۔ اچھا تو اب اور سنو" ؞

والدہ " اچھا حضور میں حاضر ہوں۔ مگر کیا کہوں کہ اب بھوک مر گئی ہے" ؞

الغرض دونوں نے کھانا شروع کیا۔ ابا جان نہایت محبت کی نظر سے اماں جان کو دیکھتے جاتے تھے اور اماں جان بھی کن آنکھوں سے ابا جان کے منہ اور آنکھوں کو دیکھتی جاتی تھیں۔ جب اماں جان نے تھوڑا کھا لیا۔ تو یہ کہکر کہ "لو صاحب اب تو خوش ہوگئے" اُٹھکر کھڑی ہوئیں اور پان کی گلوری بنا کر خاصدان میں رکھ دستر خوان پر رکھدی۔ اور آپ حقہ تازہ کرنے لگیں ؞

والد۔ "بیگم تم کیوں تکلیف کرتی ہو۔ اس نامراد چیز کو کیوں ہاتھ لگاتی ہو"

والدہ۔ "بیویاں کس مطلب کیواسطے ہوتی ہیں۔ نوکر ہر وقت تو موجود نہیں ہوتے مگر تمہیں میرے سر کی قسم۔ تم کھانا پیٹ بھر کر کھا لو۔

ابا جان نے کھانے سے ہاتھ کھینچا۔ اور اماں جان نے توا بھر کر سامنے رکھا۔ صابن سے ہاتھ دھلائے۔ اور دستر خوان بڑھا کر باورچیخانہ میں رکھا۔ اور نہایت ادب سے گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھ گئیں ؞

والد۔ "بیگم۔ آؤ میرے پاس آ بیٹھو" ؞

والدہ۔ "اچھا۔ مگر کیوں حیران کرتے ہو" ؞

والد۔ (گلے میں ہاتھ ڈالکر گلے سے لگایا۔ اور لب اور رخسار کے بیشمار بوسے لیکر کہا۔) "بیگم مجھکو تم سے کمال محبت ہے۔ اور تمہاری جگہ میرے دلمیں ہے۔ بقول شخصے۔ ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی"

ہواخوری

دلسوز خاں۔ "واقعی جناب خدا نے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں بنائیں اسیطرح آدمی بھی اچھے بُرے ہوتے ہیں۔ اور بیچاری عورتوں کو تو جہالت نے کھو دیا جسقدر قصور ہے ہم لوگوں کا ہے۔ اُن غریبنیوں کا کیا گناہ۔ آخر انگریزوں کی عورتیں بھی تو عورتیں ہی ہوتی ہیں مگر اُنکو تعلیم نے جلا دے رکھی ہے۔ اور ان کو جہالت نے زنگدار بنا رکھا ہے خیر جناب اسکا علاج محبان قوم کے ہاتھ میں ہے۔ "گذشتہ را صلوٰۃ۔ آئندہ را احتیاط"۔ واقعی جانعالم بڑے نصیبہ والے ہیں۔ جنکی والدہ شریفہ اللہ کی عنایت سے ایسی عقلمند ہیں۔ اچھا یار۔ اب اپنا حال سُناؤ ؞

میں۔ "چونکہ میں آج کے روز بہت تھکا تھا۔ پڑکر سویا تو چار بجے اُٹھا والدہ صاحبہ نے اسیوقت نہلایا۔ کپڑے پہنائے۔ اور وزیرن کو کہا کہ گلاب سے کہو۔ کہ میاں کو ہوا کھلا لائے" ؞

گلاب "چھوٹے میاں! کہاں کی سیر کر آئے"
میں "قاضی کے حوض کی"۔
ایک آواز۔ (فراشخانہ کے پاس) ایک کوٹھے پر سے آواز آئی "آہا کیا خوبصورت بچہ ہے۔ خدا اس کی عمر دراز کرے"۔
میں "مڑ کر کوٹھے کی طرف دیکھنے لگا۔ اور گلاب بھی"۔
ایک عورت۔ (اشارے کر کے) "آؤ بچے۔ ہمارے پاس آؤ۔ ہم تمکو مٹھائی دینگے" اور گلاب کو کہا کہ "آؤ یہاں حقہ پیتے جاؤ"۔
میں۔ شرم سے (جیسکہ بچوں کا قاعدہ ہوتا ہے) سرنگوں ہو گیا۔ مگر گلاب کے منہ میں ایسا پانی بھر آ کہ ہر چند میں اصرار کرتا رہا۔ مگر وہ مجھکو زبردستی اوپر لے گیا"۔
عورت "آؤ پیارے بچے۔ ہم سے شرماتے ہو۔ آؤ ہماری گودی میں آجاؤ۔ یہاں ہمارے پاس آنکر کھیلا کرو (مٹھائی دیکر) لو مٹھائی کھاؤ۔ آؤ تمہیں گانا سنائیں۔ اور گانا شروع کیا۔
اگر غفلت سے باز آیا جفا کی۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی"
میں "پہلے شرم سے گلاب کی گود میں منہ ڈالے ہوئے کھڑا تھا۔ اور وہ بے شرم خوب حقے کے دم لگا رہا تھا۔ اور اس عورت کیساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتا جاتا تھا۔ مگر جس وقت وہ عورت اپنی شیریں آواز سے گانے لگی۔ خواہ مخواہ اسکی شکل دیکھنے کو جی چاہا میں نے مڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ اور اس نے جھٹ مجھ کو اپنی گودی میں بٹھا کر گانا شروع کیا۔ اور جب کبھی تال سُر توڑنے کا موقعہ آتا تو اس عورت کو میرا چہرہ اچھا طبلہ ملگیا تھا کہ بڑی نزاکت کا ایک بوسہ لیتی تھی اور سُر توڑتی تھی"۔
عورت (گلاب کی طرف اشارہ کر کے) "کیوں میاں۔ ان صاحبزادہ کا کیا نام ہے۔ اور کہاں رہتے ہیں؟"
گلاب "بیوی صاحب۔ یہ مرزا سلطان عالم کے صاحبزادے ہیں ان کا نام مرزا جانعالم ہے۔ اور یہ کھاری باؤلی میں رہتے ہیں"۔
عورت نے ہاتھ پھیلا کر چھاتی سے مجھ کو لگایا۔ اور گانا شروع کیا:۔
"گلے سے لگجا نہ جانعالم ہمارا تیرا بگاڑ کیا ہے"
الغرض اس عورت نے میرے اسقدر بوسے لئے کہ میرے مخمل جیسی گالوں کو بانات بنا دیا۔
میں ہر چند وہاں سے چلنا چاہتا تھا۔ مگر نالائق گلاب کا اُٹھنے کو جی نہ کرتا تھا۔ الغرض جب کچھ

آرزدہ سا معلوم ہوا - تو وہاں سے رہائی ہوئی -

عورت - (گلاب کو) "میاں کبھی کبھی آیا کرو - اور اس بچہ کو بھی لایا کرو حسینؑ کی قسم میں نے ایسا خوبصورت اور پیارا بچہ آج تک نہیں دیکھا۔"

گلاب "- جی ہاں - انشاء اللہ ضرور آیا کروں گا - اور یقین ہے چھوٹے میاں بھی تم سے خوب ہل جاویں گے۔"

سرفراز "- ہم لوگوں کا یہی تو قصور ہے کہ ادنےٰ درجہ کے لوگوں پر اسقدر بھروسا کر لیتے ہیں کہ اپنے بچے بالکل انکے اعتبار پر چھوڑ دیتے ہیں - کوئی چنڈوخانے میں چلا جاتا ہے کوئی چرس کی دم لگاتا ہے - کوئی رنڈیوں کی جوتیاں سیدھی کرتا ہے - کوئی جوا کھیلتا ہے - نام یہ ہے کہ صاحبزادہ کو کھلانے پھرانے گیا تھا - اور کام یہ - یہی سبب ہے کہ بدصحبت کی سبب اُمراء کے بچے خراب ہو جاتے ہیں - جی ہاں فرمایئے -؟"

میں - غرض سیر کر کے شام کیوقت گھر آیا - کچھ کھایا پیا مسجد کا خیال جو دل میں آیا - ایسا سہم چڑھا کہ نیند آگئی - اور کھیل کود سب بھول گیا - نیند کیا ہے رات کو خواب بھی مسجد ہی کی دکھائی دیتے رہے - غرض صبح کو مُنہ ہاتھ دھو ناشتہ کر - وزیرن کیساتھ اس ویران مسجد میں آیا ملّا حسن اجل بے درمان کی شکل بنائے بیٹھے ہوئے تھے ..

میں "- السّلام علیکم۔"

ملّا "- وعلیکم السّلام - آؤ بھئی ذرا سبق تو سناؤ۔"

کل مجھکو ساری الف - بے - تے پڑھادی گئی تھی - بھلا کیا یاد رہتی دو چار حرف یاد تھے سنا دیئے - مگر بیرحم ملّا کو بڑا غصّہ آیا - اور ایک لمبی سی مسواک اٹھا کر مجھکو خوب ہی ٹھونکا اور آگے سبق پڑھایا" - الف خالی - بے کے نیچے ایک نقطہ۔"

ملّا "- اچھا سبق یاد کرو - میں ذرا گھر ہو آؤں۔"

میں - (اپنے دل میں) "دفع ہو۔"

جب تک ملّا واپس آیا - میں برابر روتا رہا - گھنٹہ بھر بعد ملّا واپس آیا میں نے دور سے اُسے دیکھا اور آنسو پونچھ کر چُپ ہو گیا -

مُلّا "- آؤ میرے ساتھ چلو - قاعدہ ساتھ لیچلو۔"

میں "- بہت اچھا - قاعدہ بغل میں داب پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔"

مُلا۔ (ایک دروازے پر پہنچکر) جاؤ اندر کہو۔ اُستاد جی آئے ہیں"۔

میں "۔ پہلے ہیچ مچایا۔ مگر مارے خوف کہ کہیں مارے نہیں۔ اندر گھس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑھیا عورت جسکی پیشانی پر محبت اور مہربانی کے آثار نمایاں ہیں روٹی پکارہی ہے، اور ایک جوان لڑکی جسکی عمر میرے خیال میں پندرہ سولہ برس کی ہوگی سُرخ کلیتوں دار پاجامہ تتریب کی سُرخ انگیا کرتی پہنے۔ یختاری ململ کا دھانی دوپٹہ اوڑھے۔ ایک تخت پر بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی ہے۔ رنگت گو سانولی ہے۔ مگر نقش و نگار ایسے عمدہ ہیں۔ کہ نورجہاں بیگم کو اُسپر صدقے کر دوں"۔

سپیکو لیٹر "۔ کیوں مرزا صاحب۔ کیا ایسی چھوٹی عمر میں آپکو ایسے خیالات تھے"۔

میں "۔ میرے دوست بھلا کہیں ایسا ممکن ہے۔ اُسوقت کی باتیں خواب کی طرح یاد ہیں اور یہ تمام لسانی۔ آپ جیسے لائق دوستوں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ مگر اسمیں کلام نہیں کہ جو کچھ میں بیان کرتا ہوں سب واقعات ہیں"۔

پاپیخال "۔ جانعالم خدا کیلئے رات بہت گذر گئی۔ جلدی اپنا حال سُناؤ۔ کہ میں بیتاب ہوں"۔

جانعالم "۔ اس نیک دل اور شریف لڑکی نے مجھکو دیکھا۔ اور کہا آہا۔ شاید یہ ہی بچہ ہے۔ جو کل اُستاد جی کے پاس پڑھنے بیٹھا ہے (چمکار کر) کہا۔ آؤ بھائی۔ آگے آؤ"۔

میں نے اس کو ادب سے جُھک کر سلام کیا۔

شریف لڑکی۔ میرے اِس مودبانہ طریقہ سے بہت خوش ہوئی۔ اور قرآن مجید بند کر کے تخت پر سے اُتری۔ مجھکو گلے سے لگایا۔ اور گود میں لے دروازہ پر جاکر کہا "اُستاد جی آؤ"۔

ملاحسن "۔ وعلیکم والسلام"۔

شریف بانو۔ مجھ کو گود میں لیکر اندر دالان میں جِھک کر اندر چلی گئی۔ اور بڑی بی سے کہا۔ "اُستاد جی کو بلالو"۔

ملاحسن۔ اندر آکر تخت پر بیٹھ گئے۔

شریف بانو نے پہلے قرآن شریف پڑھا۔ اور پھر ایک فارسی کی کتاب کا جو میرے خیال میں شاید گلستاں تھی سبق لیا۔

ملاحسن۔ (سبق پڑھا چکنے کے بعد) آؤ بھئی چلیں لڑکے"۔

شریف بانو "۔ اُستاد جی۔ کیا آپ صاحب مسجد میں جائیں گے"۔

ملا حسن "نہیں۔ اِس وقت تو ایک جگہ دعوت میں جانا ہے"

شریف بانو "کیا اِس بچے کو بھی ضیافت میں لیجائیں گے"

ملا حسن "نہیں میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ یہ مسجد میں بیٹھے گا"

شریف بانو "اُستاد جی۔ آپ کتنی دیر میں آئیں گے؟"

ملا حسن "یہی ڈیڑھ دو گھنٹہ میں"

شریف بانو "استاد جی پھر اِس بچے کو یہیں چھوڑ دیجئے۔ جب آپ دعوت سے واپس آئینگے تو یہاں آواز دیدیجئے گا۔ بھلا یہ بچہ دو گھنٹہ تک مسجد میں کسطرح اکیلا بیٹھے گا"

ملا حسن "اچھا دیکھنا کہیں نکل نہ جائے"

غرض ملا حسن روانہ ہوئے۔ اور میں نے لاکھ لاکھ خدا کا شکر ادا کیا جسوقت یہ شریف بانو پڑھ رہی تھی۔ مجھکو اُسنے اپنی گود میں لٹا لیا تھا میں اُسکے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ چھوٹا سا دہن نازک ٹھوڑی جسمیں ایک قدرتی گڑھا۔ ہاتھ پانوں سڈول بات کرتیں منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ چہرہ پر کچھ اس قسم کی شرافت اور نور برستا تھا کہ سبحان اللہ میں کبھی گھر کو اور کبھی اُس شریف بانو کو تعجب سے دیکھتا تھا۔ جب اس بانو کی طرف نظر کرتا تو امیرزادی معلوم ہوتی تھی۔ اور جب گھر کے سامان کیطرف دیکھتا تو غریبوں کا گھر معلوم ہوتا تھا مگر وہ عوام کا نہیں۔ بلکہ یہاں کی ہر ایک چیز صاف ستھری اور آراستہ تھی۔ ملا حسن کے جانے کے بعد یہ شریف اور پاکیزہ عورت میری دلجوئی پر آمادہ ہوئی۔ میں بھی چونکہ صبح کو بہت سختی دیکھ چکا تھا اُسکی دلجوئی عین شفقت معلوم ہوئی۔ آخر اُس نے مجھ سے پوچھا۔

پاکیزہ "بھائی تمہارا نام کیا ہے؟"

میں "میرا نام جانعالم ہے۔ آپا جان۔ آپ کا اسم شریف کیا ہے؟"

پاکیزہ (میرا موہنہ چوم کر) "پیارے بھائی جان۔ مجھ کو بلاقن کہتے ہیں"

ضعیفہ "لے بیٹی۔ تیرے میاں کی روٹی دے آؤں"

بلاقن "ہاں اماں جان دے آؤ۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ روز کھانا دیر سے پہنچتا ہے"

غرض بڑھیا باہر گئی۔ اور اُس نیک نہاد عورت نے مجھ سے پوچھا۔

بلاقن "بھائی صاحب۔ تمہارے ابا جان کا کیا نام ہے؟"

میں "آپا جان۔ میرے ابا جان کا نام مرزا اسد طانعالم ہے۔ اور تمہاری اماجان کا نام؟"

میں پورا اندر گئے پایا تھا کہ بلاقن کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے - میرے چھوٹے سے دل پر اسکے
اس گریہ کو دیکھکر نہایت صدمہ پہنچا - اور میں نے اُس سے پوچھا -

میں "آپا جان - تم کیوں روتی ہو ؟"

بلاقن "بھائی - یونہی کچھ دھیان آگیا تھا"

میں "تمہیں میرے سر کی قسم - سچ سچ بتاؤ" ؟

بلاقن "نہیں بھائی کچھ نہیں - کچھ نہیں"

بلاقن نے ہرچند چھپانا چاہا - مگر میں نے اُسکو بہت سی قسمیں دیں آخر اُسنے اپنا حال اس طرح بیان کیا - دوستو مجھے ٹھیک الفاظ تو یاد نہیں کہ اُس نے کیا کہے تھے - مگر مطلب یہ تھا :-

بُلاقن کا حال

بلاقن "عزیز پیارے بھائی میں جانتی ہوں کہ گو تمہارے ابھی بادشاہی کے دن ہیں - مگر ضرور تمہارے چھوٹے اور نازک دل کو میرا ماجرا سُنکر صدمہ پہنچیگا میں قوم کی سیّدانی ہوں - میرے باپ کا نام میر مبارک علی تھا اور ماں کا نام عایشہ بیگم دونو اصل نسل کے سیّد تھے" (اتنا کہکر رونے لگی)

میں "آپا جان - تم روتی کیوں ہو - تمہارے ابا جان کیا ہوئے ؟ خدا کیلئے تم رو نہیں"

بلاقن "پیارے بھائی - تمہاری بھولی صورت کے قربان پہلی تو دل میں چٹکیاں لیتے ہو اور پھر کہتے ہو - کہ رو و نہیں"

میں "آپا جان میرے ہاتھ ٹوٹیں - جو میں نے تمہاری چٹکی لی ہو میں تو پوچھتا ہوں کہ آپ کے ابّا جان کیا ہوئے" -

بلاقن - (میرے ہاتھ چوم کر) "بھائی جان - تمہاری بھولی باتیں غضب کرتی ہیں ایسی بدنصیب کے باپ کا حال کیا پوچھتے ہو - وہ قوم کا سیّد تھا - اور دہلی کے شاہی قلعہ میں مرزا گوہر ایک شہزادے کا داروغہ تھا - بھائی جان اُس زمانہ میں داروغہ سارے گھر کا مالک ہوتا تھا ایسا ہی میرے باپ کا حال تھا گھر میں بیشمار دولت بھری ہوئی تھی اور ہمہ نعمت موجود تھی - میرے والدین کے ہاں کئی بچے ہوئے اور مر مر گئے - بھائی صاحب جب کھانے پینے کو خدا دیتا ہے تو اولاد کی بڑی خواہش ہوتی ہے خیر خدا سے نومنوں پہلے میں پیدا ہوئی میری چھٹی وغیرہ بڑی دھوم دھام سے کی گئی - اور جینے کیواسطے میرا ناک چھید کر اُس میں بلاق ڈالا گیا اسی واسطے مجھکو بلاقن کہتے ہیں - لیکن

دراصل میرا نام جمیلہ بیگم تھا۔ نو برس وہ بادشاہی کی۔ کہ سبحان اللہ۔ کوئی دنیا کی نعمت نہ تھی جو کھائی نہ ہو۔ کوئی ایسا کپڑا نہ تھا۔ جو اوڑھا نہ ہو۔ کوئی ایسا زیور نہ تھا جو پہنا نہ ہو میری عمر کوئی نو برس کی ہوگی کہ دہلی میں غدر ہوا۔ گورے فرنگی اور اُن کے بیوی بچے۔ بیرحم پوربیوں نے مار ڈالے۔ چار مہینے تک وہ گولی چلے کہ خدا کی پناہ۔ آخر انگریزوں نے دہلی فتح کی سبب کو اپنی جان کے لالے پڑے۔ مال اسباب کیسے جہاں کا تہاں چھوڑا۔ جانوں کو لے بھاگے میرا باپ اور میرا چچا میر قاسم علی مجھکو اور میری ماں اور میری چچی کو لیکر سبزمنڈی کیطرف بھاگے اُس زمانہ میں پنجاب سے کچھ خاکی لوگ آئے ہوئے تھے۔ یہ کچھ ایسے تنگلے اور بھدے تھے کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے لوگوں کا مال لوٹنے کیواسطے شریفوں کی بڑی بے عزتیاں کیں۔ ہم شہر سے کچھ فاصلہ پر جا رہے تھے کہ دو خاکی دکھائی دیئے۔ ہائے غدر کا زمانہ خدا کسی کو نہ دکھائے اُسوقت جوانوں کو موت ڈھونڈتی پھرتی تھی۔ انگریزوں کا حکم تھا کہ جس جس کو ان کو دیکھو گولی سے مار ڈالو۔ میرے باپ اور چچا۔ چونکہ جوان تھے ان خاکیوں کو دیکھ ایک درخت کی آڑ میں چھپ گئے۔ اور عورتیں سڑک پر چلتی رہیں۔ کیونکہ انگریزوں کے نزدیک عورتیں۔ بوڑھے بچے قابل رحم سمجھے گئے تھے۔ ہم چلے جا رہے تھے کہ یہ خاکی گھوڑے دوڑا کر ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے:۔

خاکی "نکالو۔ تمہارے پاس کیا ہے"۔ اور اپنی تلواریں چمکا کر ہم کو ڈرانے لگے۔

ماں اور چچی۔ (ان بیچاریوں نے کبھی غیر مرد کی آواز بھی نہ سنی تھی۔ خوف کے مارے ہم کانپنے لگیں اور گڑگڑا کہا کہ) "ہمارے پاس کچھ نہیں ہے"۔

ان کمبختوں کو شریف زادیوں کی گریہ و زاری پر کچھ رحم نہ آیا۔ اور ایک نے دوسرے سے کہا

ایک (دوسرے کو) "یہ عورتیں بڑی مکارہ ہیں بھائی تو گھوڑے سے اُتر کر اُنکی تلاشی لے"۔

دوسرا۔ (پہلے کو) "دہلی کی عورتیں بڑی مکار ہوتی ہیں۔ دیکھ کیسے فریب سے رو رہی ہیں لے میرے گھوڑے کی باگ پکڑ"۔

غرض ایک گھوڑے سے اُترا سب کپڑے وغیرہ دیکھے۔ جب کچھ نہ نکلا تو ملکٹو میں ہاتھ ڈالا اسوقت میری چچی اور ماں نے رو کر خدا سے دعا مانگی کہ اے خداوند کریم۔ اس بےعزتی کا بدلہ ان ظالموں سے لے جسوقت یہ بدنہاد خاکی۔ ہمارے ساتھ ایسی بدسلوکی کر رہے تھے۔ میرا باپ اور چچا درختوں میں سے دیکھ رہے تھے۔ میرے چچا نے میرے باپ سے کہا۔

چچا۔ بھائی جان۔ بیعزتی حد سے گذر گئی۔ ایسی زندگی سے موت اچھی ہے۔ مجھے جانے دو کہ ان خاکیوں کو یہیں مار کر سُلا دوں۔"

والد۔ "میرے دلاور بھائی۔ ان کے پاس اگر ہتھیار نہ ہوتے تو بیشک تم دو کیا دس کو پیوند زمیں بنا دیتے۔ مگر دیکھیو۔ وہ تلواریں لیکر تم پر ٹوٹ پڑینگے۔ اور ذرا سی دیر میں تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔"

الغرض دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے درختوں میں سے دو موٹی موٹی لکڑیاں توڑیں اور سڑک سے لگے لگے شہر کی طرف اِن خاکیوں کے پیچھے ہو لئے۔ بدنہاد خاکیوں کو کہیں سے شراب مل گئی تھی۔ کچھ تو پی رکھی تھی۔ اور ایک بوتل ہمارے دیکھتے دیکھتے چڑھا گئے۔ اسکا نشہ ایسا ہوا کہ گھوڑے سے جھونٹے کھا کھا کر گرنے لگے۔ تب میرے باپ نے چچا سے کہا کہ اب وقت ہے اسوقت دونوں بھائیوں نے ان کے پیچھے آن کر اس زور سے ان کی گردنوں پر لکڑیاں ماریں کہ گردن کے بل دونوں بدذات گر گئے۔ اسوقت میرے چچا نے کہا۔

چچا۔ (ایک کی تلوار چھین کر) ان شیطانوں کا علاج یہ ہے کہ اس تلوار سے انکی گردنیں دھڑ سے علیحدہ کر دوں۔"

والد۔ "بھائی صاحب تم ابھی بچے ہو۔ ذرا صبر کرو۔ اِن کو اسطرح مارو کہ خون نہ نکلے۔"

میرے والد نے دونوں گھوڑوں کو پکڑا اور چچا نے اپنے مضبوط اور پہلوانی ہاتھوں سے انکی ٹینٹوئی دبا دی اور ٹیں ٹیں کر کر اِن ظالموں نے جان دی۔"

والد۔ "بھائی قاسم علی۔ ان میں سے ایک کی وردی اُتار کر تم پہن لو۔"

چچا۔ "ہاں بھائی جان بہت مناسب ہے۔"

پہلے میرے چچا نے وردی پہنی اور پھر میرے والد نے۔ اور پھر دونوں گھوڑوں پر سوار ہو ہماری طرف گھوڑے دوڑا کر آئے۔"

ما۔ (رچی سے) "دیکھئے پھر خاکی پیچھے سے آتے ہیں۔ اب کیا کریں گے۔"

چچی۔ "بہن اس زندگی سے موت اچھی ہے آؤ ایکطرف ہو لیں اور کسی کوئیں میں ڈوب مریں۔"

میں۔ (رچی کو چمٹ کر) "خدا کیواسطے اچھی چچی کنوئیں میں نہ ڈوبو۔"

ہم ڈر سے مُڑ مُڑ کر ان خاکیوں کو دیکھ ہی رہی تھیں۔ کہ میرے والد نے میرا نام لیکر پکارا اور کہا ٹھہرو۔ ہم حیران تھیں کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر جب پاس آئے تو معلوم ہوا کہ میرے والد اور چچا

خاکیوں کے بانے میں ہیں اور اپنا سب قصہ انہوں نے سُنایا۔ میری ما اور چچی نے خدا کا شکر ادا کیا اور آگے چلے۔ مردوں کی حمیت نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ آپ گھوڑے پر چلیں اور عورتیں پیدل۔ آخر ایک گھوڑے پر میں اور میری چچی کو سوار کرایا اور دوسرے پر میری والدہ کو اور خود باگیں پکڑ کر آگے چلے۔"

والدہ "صاحب ہمکو پیدل چلنے دیجئے۔ گو آپ کی مردمیت کا یہی نقاضا ہے کہ آپ ہم آپا ہیچ عورتوں کی خاطر تکلیف اُٹھائیں۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ ہماری اس ضع سے پھر ہم پر کچھ آفت آئے گی۔"

والد "میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ مگر مجھ سے نہیں دیکھا جاتا کہ تم جو کبھی دو قدم کے فاصلہ پر بھی بغیر ڈولی کے نہیں گئی تھیں ٹھوکریں کھاتی پیدل چلو۔ تمہارے پیدل چلنے سے ہم کو بہت دیر لگ جائے گی۔ اور یوں ہم جلدی سے کسی ایک طرف کو ہو لیں گے۔"

تھوڑی دُور اسطرح باتیں کرتے ہوئے گئے تھے کہ گوجروں کا ایک گروہ ملا۔ جو لٹھ لئے ہوئے کھڑا تھا اور آتے جاتوں کو لوٹ لیتا تھا۔ پہلے یہ ہم لوگوں کو دیکھکر ڈرے۔ مگر پھر جو اُن کو شبہ ہوا۔ تو لٹھ لیکر ہماری طرف آئے۔ چچا اور ابّا نے ہرچند اُنکو ڈرایا کہ ہم انگریزی آدمی ہیں۔ اگر تم ہمارے سے گستاخی کرو گے۔ تو تمہارا سارا گاؤں غارت کردیں گے۔ مگر اُنکو کچھ یقین نہ آیا آخر لڑائی تک نوبت پہنچی۔ اور میرے باپ نے چچا سے کہا:۔

والد "بھائی۔ یہ گھوڑے رسالہ کے ہیں۔ ذرا اُنکو چھوڑا اور رسالہ میں پہنچینگے۔ تم اِن گھوڑوں کو پکڑو کہ میں ان ملعونوں کا کام تمام کروں۔"

چچا "بھائی صاحب۔ جب تک دم میں دم ہے۔ میں آپ کو نہ لڑنے دونگا۔ آپ ذرا دیکھیں ایک دم میں ان کو فی النّار کرتا ہوں۔"

میرے چچا اور باپ اس حیص بیص میں تھے۔ ایک گوجر نے پاس آکر میرے چچا کو ایک لٹھ مارا جو اُنکی کمر میں لگا۔ تب اُنکو بہت غصّہ آیا اور میان سے تلوار نکالکر دوڑے اور جس گوجر نے لٹھ مارا تھا۔ ایک وار میں اُسکے دو ٹکڑے کردیئے۔ پھر تمام گوجر لٹھ لیکر اُنکے گرد ہو گئے مگر اُنکو فن بکنیتی خوب آتا تھا اسواسطے کوئی اُنکے پاس نہ پھٹک سکا۔ آخر میرے والد نے ہم لوگوں کو گھوڑوں سے اُتار کر۔ گھوڑے عورتوں کو پکڑائے اور خود تلوار لیکر اندر گھس گئے۔ بڑی دیر تک لڑائی رہی اور اس عرصہ میں میرے باپ اور چچا نے پانچ مسٹنڈے گوجر مارے۔ گوجر یہ دیکھ کر

بھاگ گئے۔ اور چچا اور ابا پھر گھوڑوں پر سوار کرکے آگے بڑھے۔

جانعالم "آپا جان اس لڑائی کا حال سُنکر مجھ کو ڈر لگنے لگا۔"

بلاقن "پیارے بھائی۔ واقعی جسوقت لڑائی ہورہی تھی۔ میں بھی ڈر سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ مگر تم مرد ہوکر ایسے ڈرتے ہو۔ ابھی تو سُنتے جاؤ۔ ابھی تم نے کیا سُنا ہے۔"

جانعالم "اچھا آپا جان اور سُناؤ۔"

بلاقن "ہر وقت ایک مصیبت کا سامنا تھا۔ سبزی منڈی کہنے کو تو دہلی سے پانچ چھ آنے ڈولی پر ہے۔ مگر قدم قدم پر آفتیں پیش آتی تھیں۔ ابھی کوئی دو پیسے کی ڈولی تک گئی ہونگی کہ چار پانچ خاکی وردی دکھائی دیئے۔ اُنہوں نے فوراً گھوڑوں کو پہچان لیا۔ اور تلواریں نکالکر ہماری طرف آئے ادھر سے ہمارے مرد بھی تلواریں نکالکر سامنے ہوئے۔"

والدہ (مردوں کو) خدا کیلئے تم گھوڑوں پر سوار ہوکر کہیں نکل جاؤ۔"

چچا "بھائی جان اللہ کو یاد کرو۔ خدا نے چاہا۔ دم بھر میں اِن کو خاک میں سلاتا ہوں۔"

مگر بھائی یہ خواب و خیال تھا۔ کجا پیدل کجا سوار۔ کجا سپاہی کجا بے ہتھیار۔ آخر ان خاکیوں نے کچھ باتیں کیں۔ اور ایک خاکی گھوڑا دوڑا کر کہیں گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد گوروں کو ساتھ لے کر آیا۔

گورا۔ (ہمارے مردوں کو) "وُل تم ہتھیار ڈال دے گا۔"

چچا "ہم ہتھیار ہرگز نہ ڈالیگا۔ جب تک کہ شہید نہ ہوجائیں۔"

میرے چچا نے پورا فقرہ نہ کہا تھا کہ ایک گورے نے ٹھائیں گولی ماری اور میرا جوان اور شہ زور چچا کلمہ پڑھتا ہوا زمین سے جالگا (روتی ہوئی) اور بہشت کو سدھارا۔"

جانعالم "آپا خدا کیلئے تم روؤ نہیں۔ مجھ کو بھی ڈر لگتا ہے۔"

بلاقن "بھائی یہ رونا آج کل کا نہیں ہے۔ مدّت کا ہے۔ اور تا زندگی رہیگا۔ مگر تم کچھ خوف نہ کرو۔"

جانعالم "اچھا آپا جان۔ تمہارے ابّا جان کو تو چھوڑ دیا؟"

بلاقن۔ (ٹھنڈا سانس بھر کر) بھائی جان کس کا چھوڑنا۔ پھر سب نے ملکر میرے باپ کو پکڑ لیا اور گورے اور ۲ دو خاکی میرے باپ کو پکڑ کر لے گئے۔ تین خاکی وہاں رہ گئے تھے اُنہوں نے ہمکو گھوڑوں سے اُتارا اور میری ۱۱ اور چچی کے گلے اور کانوں میں کچھ گہنا تھا تھپڑ مار مار کر

چھین لیا۔ میرے کانوں میں چاچا سونے کی چھوٹی چھوٹی بالیاں۔ اور گلے میں ایک چاندی کا نوڑا تھا وہ بھی اُتار لیا۔ ہر چند میری والدہ نے کہا۔ کہ ہم بہت سا زیور اور اسباب خان دوران خاں کی حویلی میں چھوڑ آئے ہیں وہاں سے جا کر لے لو۔ ہم کو نہ ستاؤ۔ مگر اِن ظالموں نے ذرا نہ سُنا اور کچھ رحم نہ کھایا۔ یہاں تک کہ چادریں اور دوپٹہ تک چھین لئے ہائے وہ بیبیں جنہیں خدا کسی کو نہ دکھائے۔ جن بیویوں کی کسی نے آواز تک نہ سُنی تھی وہ آج اِس طرح غیر مردوں کے ہاتھ سے بیعزت ہوئیں۔ خیر میں اور میری والدہ روتی دھوتیں باپ کے پیچھے ہولیں۔ اور چچی جان۔ چچا کی لاش کے پاس بیٹھکر آوازیں مار مار کر رونے لگیں۔ ہم تھوڑی دور گئی تھیں جیسے یہاں سے گلی کا نکڑ۔ کہ گوروں نے کوڑے مار مار کر میرے باپ کے کپڑے اُتار دے۔ اور خاکیوں نے ایک درخت میں جسمیں ایک ریشم کی رسّی لٹک رہی تھی۔ اُسے لٹکا دیا۔ بہتیرا میں نے اور میری ماں نے رویا پیٹا اور دوہائی دی۔ مگر کسی نے ایک نہ سُنی۔ تھوڑی دیر میں میرے پیارے باپ نے ہاتھ پیر مار کر جان دی۔ مرتے وقت ان کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اور گردن پون گز لمبی ہو گئی۔ ہر چند میری والدہ نے کہا کہ لاش ہمکو دیدو۔ مگر خاکیوں نے کہا۔ نہیں یہ یہاں لٹکیگا تاکہ باغی لوگ اسے دیکھکر خوف کھائیں"۔

والدہ نے (مجھ سے) کہا "چل لڑکی پہلے تیرے چچا کو دفنانے کا بندوبست کریں۔ جب یہ موذی یہاں سے چلے جائینگے۔ تو اس بہشتی کا کچھ ٹھکانہ کریں گے"۔

ہم اپنے چچا کی لاش کے پاس آئیں۔ وہ الف ننگے پڑے ہوئے تھے۔ ہمارے پاس سوائے کُرتے اور پاجامہ کے کچھ نہ تھا۔ چچی بین کر کے ڈاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔

والدہ "بہن آؤ کچھ گور و کفن کا بندوبست کریں"۔

چچی "بہن گڑھا کھود کر اُن کے ساتھ ہی مجھ کو بھی دبادو"۔

والدہ "اللہ کو یاد کرو۔ اور صبر و شکر کرو۔ دیکھئے ابھی کیا قسمت میں لکھا ہے"۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک طرف گھوڑے کی ٹپ ٹپ سُنائی دی۔ تھوڑی دیر میں ایک نوجوان سوار جو انداز سے مسلمان معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے پاس آیا۔ اُب ہمارے پاس کیا تھا جس کا غم ہوتا۔ خوب چیخ چیخ کر رونے لگیں۔ یہ سوار ہمارے پاس آن کر کہنے لگا۔

سوار "تم کیوں روتی ہو۔ اور یہ لاش کس کی ہے"؟

والدہ "یہ میرا بھائی ہے۔ اور اسکو گوروں نے گولی سے مار دیا ہے اسیواسطے رو رہی ہیں"۔

سوار۔ (چچی کی طرف اشارہ کرکے) یہ جوان لڑکی کون ہے؟

والدہ "یہ اُس کی بیوی ہے۔ اور اِس کی شادی ہوئے صرف ڈیڑھ مہینہ ہوا ہے"

سوار۔ (میری چچی کو بچشم غور دیکھکر) "ایسی جوان اور خوش رو لڑکی پر بڑی مصیبت پڑی ہے" اور میری والدہ کو کہا "اچھا مائی اَب تم کیا کروگی"؟

والدہ "خدا کا شکر ادا کرتی ہیں۔ ایک یہ لاش ہے۔ دوسری وہ درخت میں لٹکتی ہے۔ ان کی گور و کفن کا فکر ہے"

سوار "اچھا مائی۔ تم ٹھہرو"

یہ کہکر گھوڑا اُڑا کر چلا گیا۔ ہم اُسکو دعائیں دیتی رہیں کہ خیر کسی آفت سے تو محفوظ رہیں۔ ہم اپنی بیکسی اور بے سامانی پر زار و قطار رو رہی تھیں۔ اتنے میں ہی سوار دو آدمیوں کو ساتھ لیکر آیا جنکے ہاتھوں میں پھاوڑے تھے۔ ان لوگوں نے ایک جال کے درخت کے نیچے ایک گڑھا کھودا۔ اور اس سوار نے اپنے پاس سے ایک لٹھے کا تھان دیا۔ اور اُس میں میرے چچا کو لپیٹ کر اُس گڑھے میں دبا دیا۔ میری چچی نے بھی ہر چند اُسی گڑھے میں دبنا چاہا۔ مگر میری ماں اور سوار نے اُسے روک لیا۔ میری ماں نے مجھ سے چپکے سے کہا کہ تو رو کر اس سوار سے کہو کہ یہ ضرور تیرے باپ کی لاش بھی درخت سے اُتار دیگا۔

میں۔ (دردناکی سے رو کر) "بھائی خدا کیلئے میرے باپ کی لاش کو بھی دفنا دو"

سوار۔ (میرے سر پر ہاتھ پھیر کر) "بی بی روو مت۔ تیرے باپ کی لاش کونسی ہے؟"

میں "یہ سامنے درخت میں لٹک رہی ہے۔ میرے ساتھ چلو۔ میں بتاؤں"

میں۔ میری ماں اور چچی اُس سوار کو لیکر آگے بڑھیں۔ جب میرے باپ کو پھانسی دیا تھا اُسوقت ظہر کا وقت تھا۔ اور اب جب ہم یہاں آئیں تو شام ہونیوالی تھی دیکھتی کیا ہیں کہ اُسی درخت میں چار آدمی اور لٹک رہے ہیں جنمیں سے زمین کی تو ابھی مسیں ہی بھیگتی تھیں۔ اور افسوس انمیں سے ایک میرے خالو کا اکلوتا بیٹا تھا۔ (آنسو ٹپ ٹپ کر)

سوار "بتا بی بی! تیرا باپ کون ہے؟"

میں "(اشارہ سے روتی ہوئی) یہ ہے۔ (جس باپ کی گود میں کھیلتی تھی اب اُسکی شکل سے ڈر لگتا ہے)

سوار "(مزدوروں کو) اِسی درخت کے نیچے چار گڑھا کھودو"

مزدوروں نے گڑھا کھودا۔ سوار نے تلوار سے رسے کو کاٹا اور اپنے لُنگچہ میں سے (جو شاید

لوٹ کر لایا ہوگا) کپڑا نکال اُسے لپیٹ۔ گڑھے میں گاڑا ہی تھا کہ کہ پائی تھی۔ کہ میری ماں کی نظر میرے خالہ زاد بھائی پر جا پڑی۔ اور اُس نے زار زار رونا شروع کیا۔ سوار سمجھا۔ کہ میرے باپ کے سبب سے روتی ہیں۔ مگر جب اُس کو معلوم ہوا کہ نہیں اِن کے گھر کا ایک آدمی اور بھی اُسی درخت کا پھل بنا ہوا ہے تب اُس نے اُس کو درخت سے اُتار کر کپڑے میں لپیٹ اُسی گڑھے میں داب دیا۔

اب شام کا وقت ہے آفتاب غروب ہونے کو ہے آسمان پر سُرخ سُرخ شفق پھول رہی ہے۔ شاید آج دن کو جو شہید ہوئے ہیں اُن کا خون آسمان پر جا کر جمع ہو گیا ہے عالم سنسان ہے۔ چڑیاں بسیرا لینے کو حسب معمول چُوں چُوں کر رہی ہیں۔ ہائے اُنہیں ہمارے دل کی کیا خبر کہ ہم پر کیا گذر رہی ہے۔ ہمارا مہربان سوار ہمارے پاس کھڑا ہے۔ اور میری چچی کی طرف بڑی غور سے دیکھ رہا ہے۔

سوار۔ (مجھ کو) "لے بی بی مٹھائی کھا"۔

والدہ۔ (دعائیں دیکر) "خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ تم ہمارے لئے خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ ہو"۔

سوار۔ (میری ماں کو کپڑا دیکر) "لے مائی۔ اسکو تم اوڑھو"۔

والدہ "بیٹا۔ تم تکلیف نہ کرو۔ ہم مصیبت ماریوں کا کیا فکر کرنا"۔

سوار۔ (میری چچی) "سنو تمہارا خاوند مر گیا۔ اب پھر نہیں آسکتا۔ تم ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمکو بڑے آرام سے رکھے گا"۔

میری چچی تو غصہ سے لال پیلی ہو کر چپ ہو رہی۔ مگر میری ماں نے کہا۔

والدہ "بیٹا۔ تمہارا بڑا شکر احسان ہے۔ مگر خدا کے لئے تم تکلیف زدوں کے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔ اور ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو"۔

سوار "مائی۔ ہم اِس کو ہرگز نہ چھوڑیگا۔ خوشی سے چلے گی اچھا ہے ورنہ زبردستی لے جائے گا"۔

چچی "مردوئے پاگل ہو گیا ہے اسیوقت اپنے کو ہلاک کر دوں گی۔ جواب کے ایسا کلمہ مُنہ سے نکالا۔ تجھے خدا کی مار۔ تو میرا لیجانیوالا کون ہے"۔

یہ سنتے ہی سوار نیچے اُترا۔ تلوار نکال ہمکو دکھائی۔ ہم پر بھاگ گئیں اُس نے زبردستی گودی میں اُٹھا چچی کو گھوڑے پر بٹھایا۔ وہ نیچے گر گر جاتی تھیں۔ بہت دیر تک دونوں کی کشتی

ہوتی رہی۔ بہت دہائی دیتی رہیں۔ مگر یہاں کوئی آئی چچی کو نہ آیا۔

آخر سوار نے ایک کپڑے سے انکے ہاتھ باندھ دیئے۔ اور گھوڑی پر بٹھا پیچھے سے چھلانگ مار خود جا بیٹھا۔ اور چچی بیچاری دُتی پیٹتی رہیں اور گرنا چاہا۔ مگر سوار مضبوط پکڑے رہا اور گھوڑے کو بھگا کر دیکھتے دیکھتے نظروں سے غائب ہو گیا۔ پھر معلوم نہیں کہ میری چچی پر کیا گذری"

جانِ عالم "آپا جان۔ تمہاری اماں جان کو تو کچھ نہیں کہا۔ نہیں تو تمہارا بُرا حال سُنا"

بلاقن۔ (رو کر) "بھائی جان۔ وہ بھی سُن لو"

اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے۔ چاروں طرف اداسی پھیلتی جاتی ہے جنگلی جھینگروں کی آوازیں چلی آ رہی ہیں۔ اکثر درندہ سانپ کے بولنے کا شبہ ہوتا ہے کبھی کبھی گیدڑ کی بھی آواز سُنائی دیتی ہے۔ کُنبہ اور حویلیوں کے رہنے والیاں ماں بیٹیاں۔ ایک درخت کی آڑ میں عالم تنہائی اور سُنسان جنگل میں آپس میں گلے لگی ہوئی بیٹھی ہیں۔ جب کبھی پاس سے کوئی جنگلی جانور نکل جاتا ہے میں ڈر جاتی ہوں۔ اور میری ماں مجھ کو گلے سے چمٹا لیتی ہے۔ صبح سے ایک دانہ موتھ میں اور پانی کا ایک قطرہ حلق میں نہیں گیا غشی کا عالم طاری ہے۔ مگر سوچ رہی ہیں کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ اتنے میں میں رو دی۔ ماں نے کہا۔

والدہ "کیوں بیٹی تو کیوں روتی ہے دیکھ خدا نے ہم پر کیا وقت ڈالا ہے"

میں "مجھے پیاس لگی ہے"

والدہ "بیٹی پانی کہاں سے لاؤں۔ اچھا تو یہاں ٹھہر میں نے سا دن کو ایک کنواں دکھائی دیا تھا دیکھتی ہوں جو اُس کے پاس کسی گڑھے وڑھے میں پانی ہو"

میں دہشت میں چُپ چاپ پڑی ہوئی تھی کہ اتنے میں دھڑام سے گرنے کی آواز آئی مجھ کو فوراً خیال ہو گیا کہ میری ماں گر گئی۔ میں نے اماں اماں کہکر بہتری آوازیں دیں۔ مگر جواب نہ پایا۔ آخر اُس کپڑے (جو سوار نے مجھکو دیا تھا) سے موتھ لپیٹ کر درخت کی جڑ میں بیہوش پڑ گئی بھوک اور خوف کے سبب سے عالم بیہوشی میں پڑی رہی۔ اور صبح کو جب چار گھڑی دن چڑھا تو ہوشیار ہوئی۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ کچھ بن نہ پڑا۔ تو جال کے پتے نوچ نوچ کر کھائے اور ایک جگہ گڑھے میں کچھ پانی بھرا ہوا تھا جس پر دو دو انگل کائی جم گئی تھی۔ کائی کو ہٹا کر پانی پیا۔ پھر اپنی ماں کو سارے میں دیکھتی پھری۔ ماں کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ جب آواز کا خیال آیا تو کنوئیں کو آن کر دیکھا۔ میری ماں کنوئیں میں تیر رہی تھی۔ مگر اسکی شکل ڈراؤنی اور

پیٹ پھولا ہوا تھا۔ ہر چند میں نے "آبا آبا" کہکر بلایا۔ مگر اس نے جواب نہ دیا۔ یہ کہکر بلاقن زار وقطار رونے لگی۔

جانعالم "خدا کیلیئے آپا تم روؤ نہیں" (اور خود بھی رونے لگا)

بلاقن "(خود سنبھلکر) بھائی جان۔ تم کیوں روتے ہو میں تمہارے قربان"

ملا حسین۔ (کھنڈی کھٹکھٹاکر) "جانعالم۔ آ بھئی"

بلاقن "بہت اچھا اُستاد جی۔ آتے ہیں ذرا ٹھہریئے"

بلاقن نے میرا ہاتھ منہ دُھلایا۔ کنگھی کی۔ سُرمہ لگایا۔ اور کچھ مٹھائی کھانیکو دی میں مسجد میں آن کر بیٹھا ہی تھا کہ گلاب آگیا۔

گلاب "السلام علیکم مولوی صاحب"

ملا "وعلیکم السلام"

گلاب "چھوٹے میاں چلو"

ملا "ہاں بھئی لیجاؤ۔ اب دوپہر ہونے کو ہے"

شبہ

میں۔ (گھر آکر) "اماں جان آداب۔ اماں جان آداب"

والدہ "میں جانعالم۔ یہ آج کنگھی سُرمہ کہاں سے کروا کر آئے ہو۔ کیا یہ تمہاری صبح کی کنگھی ہے؟"

میں "نہیں اماں جان۔ میری پیاری آپا جان نے کی ہے"

والدہ (اباجان کی طرف) "ہیں اسکی آپا جان کونسی نکل آئیں"

والد "اس سے پوچھو نہ"

والدہ "بیٹا جانعالم۔ اپنی آپا جان کا ہمکو توپتہ دو"

اتنے میں وزیرن نے دسترخوان بچھایا۔ اور کھانا لاکر آگے رکھا۔ اور ہم تینوں کھانے کے واسطے بیٹھے۔ میں نے بلاقن کا حال اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان سے بیان کرنا شروع کیا۔ آدھا بیان توسب نے خوشی خوشی سُنا۔ مگر بعد میں یہ کیفیت ہوئی کہ والدہ صاحبہ کے آنسو بھر آئے۔ اور وزیرن (جو پانی پلانے کیواسطے پاس بیٹھی تھی) کے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے شاید اُسکے بھائی بھی غدر میں مارے گئے تھے۔ اباجان نے پہلے تو کچھ پرواہ نہ کی لیکن جب بلاقن کی ما

کا حال سُنا تو ایک ٹھنڈا سانس لیا اور بیبی ان کا آنسو پونچھنے لگے۔ یہاں تک پھر
مَیں چُپ ہو گیا۔

والدہ "بیٹا جانعالم واری گئی تمہیں اپنی آپا جان کی باتیں خوب یاد رہیں۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ خدا دشمن کو وہ دن نہ دکھائے۔ ہاں بھئی آگے سُناؤ"

بلبل "اماں جان مجھے ساری باتیں یاد نہیں رہیں۔ اگر تم اُن کی زبان سے سُنو تو معلوم ہو بس اتنا ہی اُنہوں نے مجھ سے کہا تھا"

والدہ "ہیں بس۔ ہائے بیچاری بلاقن نے پرورش کس طرح پائی ہوگی۔ بیٹا جانعالم مجھے تمہاری آپا جان کا حال سُن کر اور تم سے محبت کا حال معلوم ہو کر اُن سے نہایت اُنس پیدا ہو گیا ہے۔ پھر جاؤ۔ تو اور حال پوچھنا۔ دیکھو خدا نے چاہا۔ تو میں اُن کو کسی روز بلاؤں گی"

دلسوز خاں "اچھا یار جانعالم۔ اَب اپنی بیتی کہو"؟

اپنی بیتی

بلبل "یار کیا بیتی سُناؤں۔ ہر روز صبح کو اُٹھ کر مُلا کے پاس جاتا تھا کبھی سبق یاد کر آیا۔ نہ یاد ہوا۔ تو ایک لمبی سی مسواک کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ مُلا کے ہاتھ کے ذریعہ وہ میری پیٹھ کے خوب بوسے لیا کرتی تھی مَیں بھی خوش تھا کہ مسواک ہے تسمہ تو نہیں شکر ہے کہ مؤنث ذات کو مجھ سے محبت ہے۔ جمعرات کی جمعرات مُلا صاحب میرے گھر دعوت اُڑایا کرتے تھے۔ اور دھیلی۔ پاؤ لہ کچھ و چھنا بھی لے آیا کرتے تھے۔ خیر تقریباً مہینہ بھر بعد میرا قاعدہ ختم ہو گیا جس کا ایک حرف مجھ کو اب تک یاد نہیں" (قہقہہ قہقہہ)

میرے والد کو بہت خوشی ہوئی۔ اور اُنہوں نے ملاجی کو گھر پر ضیافت کے لئے بلایا اور بعد فراغت کے کہا۔

والد "مُلاجی۔ ہم سے آپ کی کچھ خدمت نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ ایک جوڑا۔ اور یہ چار روپیہ آپکے پان کھانے کے واسطے ہیں۔ گو یہ آپ کے لائق تو نہیں۔ مگر امید ہے کہ ہمارا حقیر تحفہ آپ ضرور منظور فرمائیں گے"

مُلا۔ (روپیہ اور کپڑے رومال میں باندھ کر) "مرزا صاحب۔ آپ ناحق تکلیف کرتے ہیں ہم تو اللہ والے لوگ ہیں۔ ہم کو کپڑوں اور روپئوں سے کیا"

پانچاں خاں:۔ ارے یار واقعی مُلّا تو بڑے اُستاد ہوتے ہیں "۔
سرفراز:۔ پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ اور سارے مُلّا بھی ایک سے نہیں ہوتے "۔
میں:۔ ہاں بھائی صاحبان سُنتے جاؤ۔ میری سرگذشت میں آپ ایک شریف اور نیک نیّت اُستاد کا بھی حال سُنو گے "۔
دلسوز خاں:۔ اچھا یار آگے سُناؤ "۔

خواب

میں:۔ غرض یہ ہے کہ دو برس تک مسجد میں پڑھتا رہا۔ اور اِس عرصہ میں قرآن شریف ختم کر لیا۔ اور دو سپارہ حفظ یاد کر لئے۔ مگر کس طرح سے کہ ورق اُلٹنے شروع کئے اور یا دب اُلٹتا گیا۔ اور جھٹ قرآن شریف ختم۔ اور حفظ کی سُنئے۔ قرآن مجید کھولا اوّل کا حرف دیکھا۔ قرآن شریف بند کیا اور آخر کا حرف مُنہ سے کہا۔ دو سپارہ ختم۔ چل بھئی چھٹی ہوئی۔ مار کا حال کچھ نہ پُوچھو۔ اب بھی جب پوروا ہوا چلتی ہے تو میری ہڈیاں درد کرتی ہیں۔ مُلّا نے اپنے لینے کے واسطے پڑھانا یاد رکھّا اور پچھلا سنا بھول گیا۔ دہشت کا یہ حال تھا کہ رات کو خواب میں مُلّا کی ڈراونی شکل دیکھ کر رو دیا کرتا تھا۔ ایک دن کا ذکر سُنئے کہ میں حسبِ معمول ۱۲ بجے مسجد سے آیا۔ کھانا کھا کر ذرا لیٹ گیا برسات کا موسم تھا۔ سُستی کے دِن تھے۔ ذرا سی دیر میں غافل سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد جا رہا ہوں۔ راہ میں مداری کا تماشا ہو رہا ہے۔ میں بھی دیکھنے لگا ہوں۔ اور مداری کے کھیل میں ایسا مشغول ہوا ہوں کہ جب مسجد میں پہنچا ہوں تو عصر کی نماز ہو چکی ہے اور چھٹی کا وقت ہو گیا ہے "۔
مُلّا:۔ اے نابکار۔ تو آج کہاں رہا "۔
میں:۔ چُپ "۔
مُلّا:۔ اے ملعون۔ شمر۔ مردو۔ مُنہ سے بول "۔
میں:۔ چپ "۔
مُلّا کو غصّہ آیا۔ تو جھٹ ایک لمبی سی مسواک اُٹھا لایا۔ اور میرے نازک بدن اور ملایم ہڈیوں پر بوچھاڑ برسانی شروع کر دی "۔
میں:۔ ہائے اُستاد جی توبہ۔ ہائے اُستاد جی توبہ۔ ہائے مرا۔ ہائے رے آما۔ ہائے رے اللہ

ہاے وہا ہے ہی عیرہ وغیرہ"

میں جوں جوں روتا تھا۔ ملّا زیادہ مارتا تھا اور میں بلبلا رہا تھا۔

اس خواب کے سبب میں گھنٹہ بھر بھی سویا تھا کہ چونک کر اُٹھ بیٹھا دیکھتا کیا ہوں کہ ابر چھایا ہوا ہے کبھی کبھی بجلی چمک جاتی ہے۔ ذرا ذرا پُھہار پڑ رہی ہے۔ اب مجھ کو یقین ہو گیا کہ آج بارش کے سبب دیر ہو گی۔ اور ملّا مجھ کو پیٹنے لگا"

میں "وزیرن کمبخت۔ جلدی میرا قرآن شریف دے۔

والدہ۔ میں بیٹا۔ ابھی سے دیکھو مینہ برس رہا ہے وزیرن اپنے گھر گئی ہوئی ہے اور اب تمہارے ابّا جان کیسا نتھ گیا ہوا ہے داری گئی آیا اس مینہ برستے میں کہاں جاؤ گے"

میں "نہیں امّاں جان ابھی مینہ کچھ ایسا بہت نہیں ہے۔ میں ضرور جاؤں گا نہیں تو اُستاد جی خفا ہوں گے۔

والدہ صاحبہ بہتیرا روکتی رہیں مگر میں قرآن شریف گلے میں ڈالکر گھر سے نکل اکیلا ہی چل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دور گیا تھا۔ کہ مینہ لے دے کر کے برسنا شروع ہوا۔ جوں جوں مینہ برستا تھا میرا دم فنا ہوتا تھا مینہ برستا رہا اور میں مسجد کیطرف چلتا ہی رہا تھوڑے عرصہ میں جا بجا پانی کے ندی نالے بہنے لگے اور میں پانی کے سبب بھیگی مرغی بنگیا۔ سردی کے سبب دانت سے دانت بجتے تھے۔ بدن کنپ کنپا تھا۔ نہ آگے چل سکتا تھا نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا حیران تھا کہ کیا کروں۔ اتنے میں ایک طرف سے آواز آئی۔

مدارات اور آشنائی

آواز "آ بھائی۔ یہاں آجا۔ خدا کے لئے مینہ میں نہ بھیگ"

ہائے کیسی پیاری پیاری آواز تھی۔ شاید کسی پری کے نازک دہن سے نکلی تھی۔

میں "ہچکا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا"

آواز "آ بیٹا صدقے گئی۔ کیوں مینہ میں بھیگتا ہے۔ ہمارے پاس آجا"

یہ آواز پہلے آواز سے کسی قدر بھاری تھی۔ مگر اسمیں ہمدردی اور محبت بھری ہوئی تھی میں آواز کی طرف چلا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ اسکے دروازے پر ایک عورت جس کی شکل سے نور اور محبّت برستی تھی۔ کھڑی ہوئی ہے اور اُسکے پاس دو لڑکیاں جن کے چہرہ سے حسن شرافت و لطافت عیاں ہے اُسکے پاس کھڑی ہیں۔

چھوٹی لڑکی "اے آپا جان دیکھنا بیچارے بچے کو کیسی سردی لگ رہی ہے۔ ہی ہی ہی۔ پانی میں شور البور ہو رہا ہے۔ ہائے ہائے۔ یہ گھر سے باہر کیوں نکلا تھا"

بڑی "ہے ہے۔ اماں جان دیکھنا کس طرح دانت کڑکڑاتا ہے۔ اوئی اسکے ماباپ بڑے بیرحم ہیں کیسی بارش میں بچے کو گھر سے نکال دیا ہے"

میں دروازے پر پہنچا اور رحم دل عورت نے میرا ہاتھ پکڑ اندر کیا اور گھر کی کنڈی لگالی۔

بڑی لڑکی "بھائی اپنے کپڑے اتار دے۔ میں نچوڑ کر سکھا دوں"

میں۔ (شرم سے) "نہیں۔ سوکھ جائیں گے"

عورت "بیٹا۔ کہیں تم کو بخار نہ ہو جائے۔ (چھوٹی لڑکی کی طرف اشارہ کر کے) صغرا۔ وہ رضائی لاکر بھائی کو دو"

میں نے رضائی لیکر اوڑھی۔ گیلے کپڑے اتارے اور جب میری جان میں جان آئی"

عورت "(بڑی لڑکی کو) کبرا۔ بیٹی بھائی کے کپڑے نچوڑ کر الگنی پر سکھا دو"

کبرا۔ "ہاں اماں جان۔ میں نے پہلے ہی بھائی سے کہا تھا"

عورت "ہائے غضب کیسے زور شور کا مینہ برس رہا ہے ذرا تھمنے کا نام نہیں لیتا"

اتنے میں ایک اور اندھیری گھٹا آئی۔ بجلی زور سے چمکی اور کڑک کی آواز آئی۔ کڑ کڑ کڑ۔ سب کے سب کہنے لگے "جل تو جلال تو۔ آئی بلا ٹال تو"

عورت "بیٹا۔ پیارے۔ میں صدقے گئی۔ تم بھی کہو"

میں نے بھی کہنا شروع کر دیا۔ "جل تو جلال تو۔ قدرت کمال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو"

خدا خدا کر کے اندھیرا ذرا کم ہوا۔ مینہ کی شدت بھی کچھ کم ہو گئی۔ صغرا ایک چینی کی طشتری میں کچھ مٹھائی لے آئی۔ اور لاکر میرے آگے رکھ دی۔

صغرا "بھائی۔ لو یہ مٹھائی کھاؤ"

میں "نہیں بوا۔ تم کھاؤ۔ میرا جی نہیں چاہتا"

صغرا کی پیاری شکل۔ اور اس کی یہ ہمدردی دیکھکر میں اس کا فریفتہ ہو گیا کیسی موزوں شکل پائی ہے۔ کیا خط وخال ہیں۔ کیسا نور اور شرافت چہرہ پر برس رہا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا طبیعت ہے اور کیا سن ہے۔

عورت "بیٹی کبرا۔ جاؤ طباخ کے نیچے سے پکوان نکال لاؤ۔ اور تینوں بھائی بہن ملکر کھاؤ"

میں نے بہت انکار کیا۔ مگر اُس لیف عورت اور پیاری ونہی بھولی سیفیوں لڑکیوں نے زبردستی جھلایا۔

عورت ”بیٹا لڑکے۔ تمہارا نام کیا ہے“؟

میں ”جانعالم“

عورت ”تم مینہ برستے میں کہاں جاتے ہو“؟

میں ”مسجد جاتا تھا پڑھنے کے لئے“

عورت ”کس مسجد میں تم پڑھتے ہو“؟

میں ”ملا حسن کی مسجد میں“

کبرا ”وہ مسجد تو ہمارے پچھواڑے ہے۔ مگر اُس کا راستہ بڑا پھیر کا ہے“

صغرا ”آپا جان ہم نے اُس مسجد میں اُس روز ایک بچہ بھی تو دیکھا تھا“

کبرا ”ہاں اماں جان میں تو سمجھتی ہوں۔ یہی بھائی تھا“

اتنا پتہ لگتے ہی محبت کی چنگاری میرے بدن میں چمک اُٹھی۔ اور میرا جی چاہا کہ اگر اور کچھ نہیں تو صغرا سے تو ضرور گلے مل جاؤں۔ کیوں وہ ایسی خوبصورت اور ایسی مہربان تھی کہ میں نے اس وقت تک ایسی عورت دنیا میں نہیں دیکھی۔

یار تم یہ نہ سمجھنا۔ کہ خدانخواستہ اس وقت ناپاکی کے خیالات میرے دل میں تھے نہیں ہرگز نہیں۔ مجھ کو صغرا سے ایسی محبت تھی جیسے ایک بھائی کو اپنی حقیقی بہن سے ہوتی ہے اور میں اُسکو ایسا ہی پیار کرتا تھا جیسا ایک بھائی اپنی بہن کو کرتا ہے۔

اب بارش بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ اندھیرا بھی کم ہو گیا تھا۔ بجلی بھی کہیں دُور جا کر چمکنے لگی تھی کہ صغرا نے اپنی ماں سے کہا۔

صغرا ”اماں جان۔ ہم جھولا جھولیں“

عورت ”اچھا جھولو“

صغرا۔ بھائی کو بھی جھولائیں“

عورت ”ہاں کیوں نہ جھلاؤ“

صغرا اور میں جھولے میں بیٹھے۔ کبرا نے جھلانا شروع کیا اور دونوں نہایت میٹھی اور سُریلی آواز میں گانے لگیں۔

”اماں باوا کو بھیجو جی کہ ساون آیا“

بیٹی تیرا باپ تو بڈھا ری کہ ساون آیا ۔:

اماں بھائی کو بھیجو جی کہ ساون آیا ۔:

بیٹی تیرا بھائی تو بچّہ رہی کہ ساون آیا ۔:

صغرا نے کہا ۔ کہ آپا ۔ امریاں کا گیت گاؤ ۔ اور پھر دونوں نے الاپنا شروع کیا ۔

جھولا کس نے ڈالا ری امریاں ۔:

دو سکھی جھولیں دو جھولا دیں ۔ دو ڈالیں گلے بیچ بنیاں ۔:

جھولا کس نے ڈالا ری امریاں ۔:

سب سکھی گیاں نکھن امریاں ۔ بھولی بھولی ڈولیں پھل رنگ سینیاں ۔:

جھولا کس نے ڈالا ری امریاں ۔:

یہ دونوں پیاری اور بھولی لڑکیاں گا رہی تھیں ۔ اور انکی سُریلی اور دھیمی آواز میرے کان میں ارگن کی کیفیت پیدا کر رہی تھیں کہ اتنے میں کسی نے کُنڈی کھٹکھٹائی اور دھیمی آواز سے کہا "کھولو" کبرا اور صغرا دونوں "آبا آبا" کرتی دروازے کی طرف بھاگیں اور میں شرم سے لجیا کر جھولے سے اُتر ایک طرف بیٹھ گیا ۔ ایک ادھیڑ آدمی سادی وضع اور صوفیانہ طریقہ کا متوسط بار دو مبا قد صاف خط و خال کا کچھ میوہ ہاتھ میں لئے گھر میں گھسا ۔ عورت نے کہا ۔

عورت "بسم اللہ آئیں آئیں ۔ اے کبرا کے آبا تمکو مینہ سے کچھ تکلیف تو نہیں ہوئی" ؟

مرد "نہیں جی ۔ میں جب مینہ تھمنے لگا ۔ جب دوکان سے چلا ہوں"

کبرا "آبا تمہارا انگرکھا تو بھیگا ہوا ہے"

صغرا "آبا جان تمہارے پاجامہ پر چھینٹیں پڑی ہوئی ہیں"

اس شریف مرد نے بچوں کو پیار کیا اور مجھے دیکھ کر کہا کہ یہ پیارا اور بھولا بچّہ کس کا ہے" ؟

صغرا ۔ آبا ۔ یہ ہمارا بھائی ہے ۔ یہ ہمارے ساتھ جھولا جھولتا تھا"

اس شریف آدمی نے مجھکو گود میں لیا ۔ اور چند آم کھانیکو دیئے میں شرم سے پانی پانی ہو گیا ۔ کبرا کی ماں نے سب میرا حال بیان کیا اور کہا کہ اسواسطے بچّہ کو میں نے ٹھہرا رکھا تھا کہ جب تم آؤ گے تو پہنچا دینا ۔ خدا معلوم اسکی ماں کا کیا حال ہو گا ۔:

شریف مرد "اچھا اس بچّہ کو کھانا کھلا دو ۔ پھر میں پہنچا دوں گا ۔:

غرض سب نے ملکر کھانا کھایا ۔ میں نے بھی بڑا اصرار سے دو چار نوالے کھائے ۔ شریف آدمی

مجھ کو پہنچانے چلا ؞

پریشانی

اب ادھر کا حال سنئے کہ یہاں سب گھر میں ہل چل مچ گئی۔ گلاب وزیران تو مجھ کو ڈھونڈنے دوڑے۔ والدہ صاحبہ دیوانہ وار کبھی دروازے پر جائیں کبھی اندر آئیں۔ ابا جان کوتوالی پہنچے کہ شاید میں رستہ بھول گیا ہوں۔ اور کسی بندۂ خدا نے کوتوالی پہنچا دیا ہو۔ ملا حسن اور ملا قربان کے گھر تلاش کیا۔ اور جب کہیں پتہ نہ لگا تو رونا پیٹنا پڑ گیا۔ سب کو یقین ہو گیا کہ بارش میں کہیں بہ گیا۔ غرض محلہ میں کہرام مچا ہوا تھا۔ اور آدمی میری تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں میں پہنچا۔ محلہ کی حلال خوری نے دیکھ پایا۔ چڑ چڑ دور سے میری بلائیں لیں۔ اور گھر آ کر خبر دی۔ والدہ صاحبہ پروانہ وار دوڑیں۔ گلے سے لگایا۔ دعائیں دیں اور زار زار قطار روتی رہیں والد صاحب گھر میں موجود نہ تھے۔ میری طرف ایسا خیال ہوا کہ کسی نے کیا کے ابا کا حال بھی نہ پوچھا کہ یہ کون ہے اور اُن کی خاطر مدارت کرنی تو چیز دیگر تھا۔ اور میں بھی حیران تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ خیر صغرا کے ابا تو چلے گئے۔ میرے والد کو تلاش کرنے آدمی دوڑے اور بڑی دیر میں ڈھونڈھ کر لائے۔ فوراً مشکل کشا کا دونا دیا گیا۔ اور بیوی کا کونڈا کیا گیا۔ اور بہت کچھ صدقے بیلے اُتارے گئے۔ جب رات زیادہ گذر گئی اور محلہ کے عورت مردوں کی جو مجھ کو پوچھنے چلے آ رہے تھے۔ بھیڑ بھاڑ کم ہوئی تو میرے والد نے مجھ سے پوچھا +

والد ”بیٹا بانعالم۔ آج تم کہاں رہے؟“

میں نے اپنا تمام حال بے کم و کاست سُنایا۔ والد صاحب بہت خوش ہوئے اور اُس غریب گھر کے رہنے والوں کی جنہوں نے مجھ کو پناہ دی تھی۔ بہت تعریف کی ؞

حال کُھل گیا

خیر یہ معاملہ تو یونہی رفت گذشت ہوا۔ اب مجھ کو وہ خواب یاد آنا شروع ہوا اور مسجد اور ملا کا سہم چڑھا۔ غرض یہ ہے کہ تقریباً دو سال تک ملا حسن کے پاس اور پڑھتا رہا۔ وہ کوئی دن نہ تھا کہ پٹا نہ ہوں۔ یا جھڑکیاں نہ کھائی ہوں۔ نام کو دس سیپارہ حفظ اور سارا قرآن شریف ناظرہ تھا مگر یاد ایک لفظ نہ تھا۔ آخر ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ والدہ صاحبہ مجھے نہلانے لگیں۔ یہ جمعہ کا دن اور جمعرات کو خواندگی یاد نہ نکلنے پر ملا نے مجھ کو بے انتہا مارا تھا۔ لال لال بدھیاں بدن پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان بدھیوں کو دیکھ کر والدہ صاحبہ کانپ اُٹھیں اور غصہ سے لال ہو گئیں۔ مجھ سے پوچھا کہ بدھیاں کیوں

پڑھیں بیٹے آپ نے پڑھایا مگر اُنکو تاکید اور پوچھنے کی بابت بیان اُنکا دیا پڑھ چکے اور کرکے بدل لینے کے بعد والدہ صاحبہ نے عبد کا سیپارہ مجھسے حفظ سُننا چاہا کیونکہ وہ اُنکو حفظ یاد تھا مگر مجھے کو کیا آتا تھا کہ سُناؤں پھر قرآن شریف کھولکر تلک الرسل میں پڑھوانا چاہا کیونکہ والدہ صاحبہ کو قرآن شریف ناظرہ خوب یاد ہے۔ مگر یہاں بھی میں پورا نہ اُترا والدہ صاحبہ بہت خفا ہوئیں اور کہا کہ بوبک مُلّانے خوب ہمارا مال کھایا۔ اور بچے کی ہڈیاں توڑیں۔ اُسے خدا کی مار چاہیے دنیا اِدھر کی اُدھر ہوجائے میں تو اپنے بچہ کو اُس کے پاس نہ بھیجوں گی :.

نیا اُستاد

عالم سُنسان ہے تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ چوکیداروں کی آوازیں آرہی ہیں "جاگتے رہو جاگتے رہو"۔ شرابی شرابیں پی پی کر مست ہوکر پڑ گئے ہیں۔ نئی دلھانئی دولھن۔ باتیں کرتے کرتے اپنے دل کے حوصلے نکال غافل ہوگئے ہیں تماشبین البیلی رنڈیوں کو بغل میں دبائے اپنے ٹکے وصول کرنیکی فکر میں پڑے ہیں۔ جواری داؤں پر داؤں لگا رہے ہیں۔ کوئی کلیجہ پکڑے بیٹھا ہے کہ ہائے آج آدھ جوڑے کے آنا رتک ہار گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ اگلی دفعہ پاسہ پڑ گیا تو پو بارہ ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اب داؤ لگاؤں تو انشاء اللہ سب ہارا ہوا نکال لوں دنیا کا یہ حال تھا اور ہمارا گھر تھکا ماندہ پڑا ہوا تھا کہ اتنے میں کسی نے باہر سے کنڈی کھڑ کھڑائی :.

والدہ "دیکھنا جی یہ رات کو کون کنڈی کھٹکھٹاتا ہے۔ خدا خیر کرے"۔

والد "کون ہے۔ کون ہے؟

کوئی "مرزا صاحب۔ ذرا یہاں تشریف لائیے"۔

والد "خیر ہے۔ حاضر ہوا"۔

والدہ "اے ہے کون ہے کہو تو سہی"۔

والد "آواز تو نواب صاحب کی معلوم ہوتی ہے"۔

والدہ "ہے ہے۔ نواب صاحب پر اسوقت کیا مصیبت پڑی"۔

والد "خدا معلوم کیا معاملہ ہے"۔

آخر والد صاحب باہر گئے اور تھوڑی دیر میں ہنستے ہوئے اندر آئے۔ یہاں گھر میں جاگ ہوگئی تھی والدہ صاحبہ ہول کے مارے پاخانہ گئی ہوئی تھیں والد صاحب کی آواز سن کر باہر نکلیں اور بولیں :.

والدہ " [illegible] خیر تو ہے [illegible] بتاؤ "

والد " بیگم پیاری - تم گھبراؤ نہیں - سب خیریت ہے - نواب صاحب اِس وقت ایک پچاس روپے مانگتے ہیں "

والدہ " ہیں نام بڑے اور درشن چھوٹے - نواب صاحب کو اسوقت پچاس روپیہ کی کیا ضرورت - نواب ہوکر روپیہ مانگتے ہیں "

والد " بیگم چپکے چپکے بولو - بیچارے نام کے نواب ہیں کسی زمانہ میں انکے بڑے دُور دُور تھے - انکے بزرگوں کو بادشاہوں کی طرف سے خطاب ملا ہوا تھا وہی لوگ اِن کو بھی کہتے ہیں ایسی طرح بیچارے گذارہ کرتے ہیں یہ بیوی انکی لدا رہے سُنا ہے کہ وہ کسی ساہوکار کی بیٹی تھی ان کے ساتھ دوستی کرکے نکل آئی تھی - اللہ نے ایمان بخشا مسلمان ہوگئی اپنے ساتھ بہت سا مال لائی تھی اُسی کی دولت سے نواب صاحب پلے ہیں "

والدہ " اچھا جی - پھر ہمکو اس سے کیا - اے ہے یہ بتلاؤ کہ یہ روپیہ کیا کرینگے - کیا انکی وہ جورو مرگئی ہے " ؟

والد " نہیں پیاری - پہلی بیوی سے انکا بیٹا ہے جوان - اُس کو جُوا کھیلنے کی عادت ہے روز جیت کر لاتا تھا - باوا کو دیتا تھا - دونوں باپ بیٹے خوب گلچھرے اُڑاتے تھے - باپ کو مزا پڑگیا تھا - اسواسطے وہ منع بھی نہیں کرتے تھے - آج بیٹا چند جواریوں کو اپنے ساتھ لایا اور جوا کھیلنا شروع کیا اوّل خوب جیتا " بدوزد طمع دیدۂ ہوشمند " - لالچ کے مارے کھیلا چلا گیا دو چار داؤ ایسے آکے پڑے کہ اپنا بھی ہاتھ سے نکل گیا - اب دونوں باپ بیٹوں کو فکر پڑا - کہ ہائے اِس قدر دولت ہاتھ سے آکر نکل گئی - بیٹے نے باپ سے روپیہ مانگا اور باپ نے روپیہ کی یہ سبیل نکالی "

والدہ " توبہ توبہ - دور کرو - دیکھنا جواریوں کو روپیہ ہرگز نہ دینا - ان سے لوگے گیا "

والد " بیگم - اِن کا سات آٹھ سو روپیہ کا مکان یہ ہمارے مکان کے پاس ہے - یہ خاص نواب صاحب کے نام کا ہے - انکے بزرگوں کی نشانی ہے اِس سے اپنا روپیہ وصول کریں گے - کچھ ڈر نہیں دیکھو ہم نواب صاحب سے بھی کچھ کام لیں گے "

والدہ " اُوئی - تم اُن سے کیا کام لوگے - روپیہ دینا ہے - دیدو "

غرض ابّا جان نے صندوقچے میں سے پچاس روپیہ نکال نواب صاحب کو حوالہ کئے -

ایک گھنٹہ گذرا [illegible] دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ پھر وُہی نواب صاحب ہیں۔ اور پچاس روپیہ اَور مانگتے ہیں۔ آبا جان نے اور دیئے ۔ اور تھوڑی دیر بعد پھر نواب صاحب نے روپیہ کی درخواست کی۔ قصّہ کوتاہ وہ رات نواب صاحب کیواسطے ایسی منحوس تھی کہ نواب صاحب اور اُنکے صاحبزادہ بلند اقبال نے اپنے روپیہ کے علاوہ ڈھائی سو روپیہ قرض لیکر ہارے۔ آخر مرتبہ آبا جان نے کہا۔

والد "نواب صاحب مجھے افسوس ہے کہ اَب میرے پاس نقد روپیہ موجود نہیں رہا"۔

نواب صاحب سمجھ گئے کہ آیندہ دینے سے پہلے ہی انکار کیا ہے۔ فرمانے لگے:۔

نواب صاحب "مرزا جی آپ فکر نہ کیجئے۔ اگر صُبح کو آپکے پاس روپیہ نہ پہنچا۔ تو یہ مکان آپکے پاس گرو رکھدیا جاوے گا"۔

والد "نہیں کوئی فکر نہیں روپیہ اپنے گھر ہی میں ہے۔ مگر مَیں تو یہ عرض کرتا تھا کہ اَب نقد روپیہ میرے پاس ہو چکا ہے۔ ہاں کچھ زیور والدہ جانعالم کا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے"۔

نواب صاحب "توبہ توبہ۔ مرزا صاحب آپ کیا فرماتے ہیں۔ بس اب انشاءاللہ ضرورت نہ ہوگی"۔

غرض نواب صاحب روپیہ لیکر چلتے ہوئے۔ آبا جان گھر میں آئے والدہ صاحبہ نے فرمایا۔

والدہ صاحبہ "اے ہے۔ آج اسقدر روپیہ دیدیا۔ اَب وصول کس طرح ہوگا۔ ان جواریوں سے کوئی کیا لے گا"۔

والد "بیگم گھبراؤ نہیں۔ کل نواب صاحب اپنا مکان گرو رکھدیں گے"۔

دوسرے دن نواب صاحب نے اپنا مکان گروی رکھدیا۔ اور رہن نامہ بنوا کر آبا جان کو دیدیا۔ اور پُرانے کاغذات بھی حوالہ کر دیئے"۔

والد "نواب صاحب۔ اگر فرماؤ۔ اور آپ کو کچھ تکلیف نہ ہو۔ تو مَیں جانعالم کو آپ کے پاس پڑھنے بھیجدیا کروں"۔

نواب صاحب "مرزا صاحب بخوشی تمام انشاءاللہ تعالیٰ۔ مَیں اس کو اپنے بچوں کے موافق رکھوں گا"۔

آبا جان کاغذات لیکر خوشی خوشی گھر میں آئے اماجان سے کہنے لگے "لو جی تم یونہی ڈر رہی تھیں نواب صاحب بڑے صاف آدمی ہیں دیکھو یہ رہن نامہ بنوا دیا ہے۔ اور یہ سب قبالے دیدیئے ہیں۔

اور جاالعالم بھی کل سے یہیں پڑھا کریگا۔ نواب صاحب [illegible]

والدہ نوج دو پار میرے بچے کو جوار یونکی صحبت میں کھکر جواری ڈھنڈاری بنواؤ گے ؟

والدہ بیگم ۔ نواب صاحب اپنی ذات سے بہت عمدہ آدمی ہیں وہ جاالعالم کو بد چلن نہ ہونے دیں گے ۔ مجھے خوب اُمید ہے ۔

الغرض دوسرے دن سے میں نواب صاحب خدا کے پاس پڑھنے لگا ۔ نواب صاحب اللہ بخشے مجھ سے بچوں کی طرح پیش آتے تھے ۔ نہایت تسلی اور دلاسے سے پڑھاتے تھے ۔ اور کھیلنے کیواسطے بہت چھٹی دیتے تھے اور اپنے سامنے کھیل کھلاتے تھے سبق یاد ہونے پر کچھ انعام بھی دیا کرتے تھے ۔ طرح طرح کی نصیحت کرتے اور ہمیشہ نیک چلن آدمیوں کے حالات سُناتے رہا کرتے تھے ۔

نواب صاحب کے ہاں بھنگی ۔ چرسی ۔ جواری ۔ رنڈی باز سب طرح کے آدمی جمع ہوتے تھے اور کلام پینے بلیسیوں دفعہ بھنگ چھنوائی ۔ چرس بھری ۔ حقہ بھرے ۔ مگر نواب صاحب کی نصیحت میرے میں نقش کالحجر ہوگئی ۔ (ناظرین !) آپ یہ خیال فرمادیں کہ نواب صاحب مجھ سے بھنگ چھنواتے یا چرس اور حقہ بھرواتے تھے ۔ نہیں ہرگز نہیں ۔ بلکہ بعض آدمی جو نواب صاحب کے ہاں آتے تھے وہ مجھ سے یہ کام کرواتے تھے تاہم مجھکو اُن سے یہ فائدہ تھا کہ وہ سب مجھکو سبق پڑھاتے اور بے شمار دُعائیں دیتے ۔ اور ساتھ ہی ان چیزوں کی مضرت میرے آگے بیان کرتے ۔

نواب صاحب اور اُنکے دوستوں کی تعلیم کا یہ اثر ہوا ۔ کہ تین برس کے عرصہ میں میں نے قرآن شریف ختم کیا ۔ دوبارہ دُہرایا ۔ کریما خالق باری ۔ مامقیماں ۔ دستور الصبیاں ۔ گلستاں اور اُردو کی کتابیں پڑھ لیں ۔ اور بہت عُمدہ لکھنے لگا ۔

مصرجی

جیسے کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں ۔ نواب صاحب کے پاس سب طرح کے لوگ آیا کرتے تھے مگر جب کوئی رنڈی باز یا رنڈی نواب صاحب کے پاس آتی تھی جس کے ساتھ خلاف تہذیب ذکر ہوتا تو نواب صاحب مجھ کو میرے گھر بھیج دیا کرتے تھے ۔ خدانخواستہ نواب صاحب رنڈی باز نہ تھے کیونکہ وہ بہت بزرگ تھے ۔ مگر اُنکو کیمیا اور باہ کے نسخہ بہت یاد تھے ۔ اور دوسرے وہ بہت ہر دلعزیز تھے ۔ ایک دن ایک لالہ اور عورت آئے ۔ اور نواب صاحب نے مجھ کو نکال دیا ۔ دو ایک گھنٹہ کے بعد بلایا اور دریافت فرمایا کہ کیا تمہارا کوئی مکان خالی ہے میں نے کہا ہاں ایک مکان اسی گلی میں خالی ہے ۔

نواب صاحب "اُس کا کرایہ کیا ہے"؟

ہیں "تحقیق معلوم نہیں۔ شائد ۵ ہے"!

کریمن۔ رحیمن۔ فہیمن

نواب صاحب "اپنی والدہ سے ہیر اسلام کے کہ اُس مکان کی کنجی لے آؤ"

ہیں "بہت اچھا"

ہیں گھر سے کنجی لایا۔ نواب صاحب۔ لالہ اور بڑھیا اور ہیں مکان دیکھنے گئے۔ لالہ اور بڑھیا نے مکان دیکھکر بہت پسند کیا۔ یہ مکان ایک جانب سے دالان در دالان تھا۔ دو کوٹھریاں تھیں مقابل ہیں ایک دالان ایک کوٹھری۔ ایک حمام تھا کھلی انگنائی اور ڈیوڑھی پٹی ہوئی تھی"

لالہ "نواب صاحب مکان بہت عمدہ ہے۔ خواہ کچھ ہی کرایہ ہو مجھے دلوا دو"

نواب صاحب "اچھا کنجی آپ اپنے پاس رکھئے۔ مرزا جی کہیں باہر گئے ہوئے ہیں اُنکے آنے پر کرایہ چکا دیا جاویگا۔ آپ بیشک اپنا اسباب لے آویں"

اسباب آنا شروع ہوا۔ شام کے قریب ایک ڈولی ہیں دو لڑکیاں آئیں۔ ایک بڑی تھی دوسری چھوٹی۔ بڑی کا نام کریمن تھا اسکی اس لالہ سے آشنائی تھی۔ چھوٹی کوئی ۱۴ برس کی ہوگی۔ یہ ابھی کنواری تھی دونوں شکل کی پیاری پیاری اور خوبصورت تھیں۔ ان کے خط و خال بہت عمدہ تھے ہیں جو جبلی عاشق مزاج پیدا کیا گیا تھا ان پر عاشق ہو گیا تھا۔ اور یہ بھی مجھ سے کچھ میرے بچپن اور بھولپن اور کچھ مکاندار کا لڑکا ہونیکے سبب بہت محبت کرتی تھیں۔ انکی ماں بڑھیا تھی جسکا نام فہیمن تھا۔ یہ قوم کی سنگنی تھی اور اب اپنی بڑی لڑکی کی کمائی پر گذارہ کرتی تھی۔ گو یہ عورتیں خانگیاں تھیں مگر بہت شریفانہ گذارہ کرتی تھیں۔ اُنکے گھر ہیں سوائے اس لالہ کے اور کوئی نہیں آتا تھا۔ اور یہ عورتیں اس لالہ کو "مصر جی" کہا کرتی تھیں۔

یہ مصر جو شائد قوم کا برہمن تھا۔ بڑا مالدار آدمی تھا۔ اس کی عمر تقریباً پچاس برس کی ہوگی۔ اُسکو کریمن سے بہت محبت تھی اُس پر مثل پروانہ وار فریفتہ تھا۔ اور رحیمن کو اپنی بیٹی کہا کرتا تھا۔ اور اُسکو کھلاتا پہناتا تھا۔

ایک دن ہیں ان کے ہاں ایک جوان غیر آدمی دیکھا اور پیچھے مجھے معلوم ہوا کہ مصر نے اس جوان سراوگی کو رحیمن کی خدمت کیواسطے جوتا ہے۔ غرض یہ دو لڑکیاں تھیں اور یہ دو ہندو انکی خدمت کرتے تھے یہ ایسے شریف تھے کہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کب آتے ہیں اور کب نکل جاتے ہیں۔

غرضیکہ یہ معاملہ یونہیں چلتا رہا۔ میں اُنکے ہاں جاکر کھیلا کرتا تھا۔ اور اُن کو بڑی چھوٹی کہا کرتا تھا۔ خصوصاً بڑی مجھ کو بڑی پیاری معلوم ہوتی تھی۔ اُنکی ماں فہیمن اکثر ہمارے گھر جاتی تھی۔ اور کرایہ دار ہونے کے علاوہ جب والدہ صاحبہ کو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہیں تو والدہ صاحبہ اُس سے اچھی طرح پیش آنے لگیں"

کیمیا گر

جب اِن عورتوں کو اس جگہ رہتے ہوئے کچھ عرصہ ہو گیا۔ تو محلہ کے اور لوگوں سے اِنکا میل جول ہو گیا۔ اس محلہ میں ایک شخص "ذاکر" نامی رہتے تھے۔ جب انہوں نے ان عورتوں کو سونیکی چڑیا دیکھا تو ان سے خوب میل جول پیدا کیا۔ اور ایک دن ایک فقیر صاحب کو اپنے ساتھ لائے :۔

فہیمن "سائیں جی۔ میں صدقے۔ کوئی ایسی چیز دو کہ ان لڑکیوں کے آشنا اِن سے خوب محبت کریں"

فقیر۔ (دل میں۔ آشنا اور محبت نکرے) "ہاں مائی۔ ایک تعویذ لکھ دیتا ہوں۔ انشاءاللہ محبت کیا پیر پر بدر ہے :۔

غرض سائیں جی نے ایک کاغذ پر لکیریں کاڑ کر دو تعویذ بڑھیا کے حوالہ کئے اور لڑکیوں کو کہا کہ چاندی میں منڈھوا کر۔ ان کو اپنے گلے میں ڈال لو۔ اور جب تمہارے آشنا آیا کریں۔ ان سے بڑی محبت سے بولا کرو۔ اور انکی ہر ایک خواہش کو بغیر کسی انکار کے پورا کیا کرو۔ دیکھو اگر تم میری اس بات پر عمل نہ کرو گی۔ تو میرے تعویذ کا اثر نہ ہوگا"

شاہ جی نے وہ ٹُنکا بتایا جس سے آشنا تو کیا بلکہ وحشی بھی صید ہو جاتے ہیں۔ اِن چھوکریوں کے آشنا ان پر جان دینے لگے اور شاہ جی کا عمل کارگر ہو گیا۔ اور اب ان کے ہاں شاہ جی کی خوب آؤ بھگت ہونے لگی :۔

مصر "شاہ جی۔ کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے کہیں کچھ ہاتھ لگے"

فقیر "اچھا باباجی بھلا ہوگا"

فقیر نے تو یونہیں آمد سخن بات کہدی تھی۔ مگر اتفاق سے اُس دن ایک مالدار ساہوکار اور آٹھ دس معمولی حیثیت کے آدمی مر گئے۔ اور مصر کے بہت مال ہاتھ لگا۔ مصر سمجھا کہ شاہ جی کی دُعا کا اثر ہوا۔ دوسرے دن مصر نے شاہ جی سے کہا"

مصر "شاہ جی آپکی دُعا سے کل بڑا کام بنا۔ ایسی ترکیب بتاؤ کہ ہمیشہ کیلئے ساہوکار بن جاؤں"

فقیر۔ "پتا بابا [illegible] کی [illegible]"

مصر۔ (فقیر کے ہاتھ چُھو کر) "نیست ثابت ہے۔ بھگوان کی کرپا سے نیت ثابت ہے۔"

فقیر۔ (فہیمن کی طرف اشارہ کر کے) "مائی (اپنے پاس سے تمباکو دیکر) ذرا اُسکا حقہ تو بھر لاؤ۔"

فہیمن حقہ بھر لائی۔ اور فقیر حقہ کے دو گھونٹ پی کر چلدیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب فہیمن پھر حقہ بھرنے لگی تو چلم میں سے ایک سونے کی ڈلی گر پڑی ایسا چمکدار سونا دیکھکر فہیمن حیران ہوگئی اور مصر کے پاس سونے کی ڈلی لیکر آئی۔ مصر جی ایسا عمدہ کندن دیکھکر لٹو ہو گئے۔ اور کہا کہ یہ فقیر تو بڑا کراماتی ہے۔"

مصر "مائی۔ اب فقیر آئے۔ تو اُسکی خوب تواضع کرنا۔ یہ تو بڑا کامل فقیر ہے۔"

فہیمن "مصر جی۔ ایسا ہی ہوگا۔"

اب دیکھئے کہ ایک ہفتہ سے زیادہ ہوگیا۔ فقیر صاحب نہیں آئے۔

مصر "مائی۔ شاہ جی کی کچھ خبر ہے؟"

فہیمن "مصر جی کچھ پتہ نہیں۔ پیر فقیر ہیں۔ کوئی دنیادار تھوڑا ہی ہیں۔"

مصر "مائی۔ اُنکا ضرور پتہ لگاؤ۔"

فہیمن "اے جو میاں ذاکر رہتے ہیں۔ یہ شاید اُنکے مرید ہیں۔ میں اُن سے پوچھوں گی۔"

مصر "مائی۔ جا تو ذرا میاں ذاکر کو بلا تو لا۔"

فہیمن ذاکر کے گھر گئی۔ اور فقیر کا ذکر چھیڑا۔ میاں ذاکر تو پہلے ہی سے اُدھار کھائے بیٹھے تھے بڑھیا کو اور بھی پر چڑھایا۔

فہیمن "آئیے میر صاحب ذرا گھر تک چلئے۔ کریمن آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔"

ذاکر "بڑی محبت کی لڑکی ہے چلو ابھی جاتا ہوں۔ مصر جی بھی گھر میں ہیں۔"

فہیمن "ہاں ہیں گے۔ وہ بھی تمکو بہت یاد کر رہے ہیں۔"

ذاکر دل میں خوش ہوا۔ کہ سونے کی چڑیا جال میں پھنس گئی ہے اور خوشی خوشی فہیمن کے ساتھ چلا آیا۔ یہاں مصر نے اور کریمن نے اُس کی اور دن سے زیادہ مدارات کی۔

مصر "میر صاحب شاہ جی تو بہت روز سے آئے ہی نہیں۔"

ذاکر "مصر جی۔ فقیر ہیں۔ کوئی کسی کے بندھوے تھوڑے ہیں۔ خبر نہیں ہمالہ پہاڑ پر ہوں۔ بندھیاچل پر ہوں۔ کشمیر ہوں۔ تبت ہوں۔"

مصر۔ ہیں میر صاحب۔ شاہ جی تو دور پہاڑ دل پر جاتے ہیں کس طرح جاتے ہوں گے۔ وہ تو برسوں کے راستے ہیں۔ اور ہم نے سُنا ہے کہ ہاتھی جیسے اژدھے۔ اور گدھے جیسے بچھو ان پہاڑوں پر رہتے ہیں:۔

ذاکر۔ "تو پھر شاہ جی کو کیا۔ اُن کو تو ایسے اسم یاد ہیں۔ کہ بس ذرا پڑھا۔ اور اُڑ تے اُڑتے صُبح کو ہمالہ پر پہنچے تو شام کو بندھیاچل پر۔ اور دوپہر کو چین میں۔ تو سہ پہر کو روم میں اور سانپ بچھو کی جو کہو تو یہ دور سے ہی جہاں دیکھا اور سجدہ کرنے لگے"۔

کریمن۔ "اوہو۔ تو یُوں کہو۔ کہ شاہ جی بڑے کامل ہیں"۔

ذاکر۔ "اور نہیں۔ کوئی ٹکر گدا تھوڑا ہی ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ میں ان کے ہمراہ کمپنی باغ میں چلا گیا۔ جب شیر کے پنجرے کے پاس پہنچے تو شیر دور سے ہی دیکھ کر سجدہ کرنے لگا شاہ جی نے کہا بس بیٹا سلام ہو گیا۔ شیر اُٹھ بیٹھا اور دُم ہلانے لگا۔ جس قدر آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ سب نے شاہ جی کے پاؤں چوم لیئے۔ بلکہ کئی ایک تو اُن کے پیچھے پیچھے ہو لئے انھوں نے سب کو دھتکار دیا"۔

مصر۔ "میر صاحب۔ تو شاہ جی پھر کب تک آویں گے"؟

ذاکر۔ "شاہ جی کا کیا پتہ ہے۔ خوشی کے مالک ہیں۔ اگر تمہیں ضرورت ہے تو میں آج رات کو ایک اسم پڑھوں گا۔ اُن کو خبر ہو جاویگی"۔

فہمن۔ "میر صاحب۔ خدا کے لئے ضرور پڑھو"۔

ذاکر۔ "پڑھوں تو مگر مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے"۔

کریمن۔ "اے ہے۔ یہ کیُوں"؟

ذاکر۔ "پیچھے مؤکلوں کی نیاز دلانی پڑتی ہے"۔

کریمن نے پانچ روپیہ اپنے بٹوئے میں سے نکال میر صاحب کے حوالہ کئے۔ اور میر صاحب خوشی خوشی روپیہ لے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ رات کے تین بجے ہیں عالم سُنسان ہے۔ سب لوگ پڑے سو رہے ہیں۔ ذاکر کے گھر کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور ذاکر ایک لکڑی ہاتھ میں لے شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں جاتا ہے۔ اور کچھ اسم پڑھکر صبح سے پہلے ہی پہل اپنے گھر واپس آجاتا ہے۔ اس طرح کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ اور اُس نے کیا کیا تھا"۔

صبح کے آٹھ بجے ہیں۔ لوگ اپنے کام کاج میں لگ گئے ہیں۔ بازاروں اور گلیوں میں چہل پہل ہو رہی ہے۔ ذاکر کچھ تھوڑی سی جلیبیاں لیکر کریمن کے گھر پہنچتا ہے۔

فہیمن "آئیے میر صاحب آئیے۔ کہئیے آپنے وہ اسم پڑھا تھا"؟

ذاکر "قسم خدا کی تمہاری خاطر تھی۔ مَیں تو مر ہی چلا تھا۔ رات کو مُوکل دانت پیستے تھے"۔

کریمن "اے ہے خدا نے بچایا۔ پھر یہ تو کہو کہ کچھ مطلب بھی ہوا یا نہیں"؟

ذاکر "ہاں کیوں نہ ہُوا۔ شاہ جی کے صدقہ سے ہم کوئی کام کریں اور نہ ہو"

رحیمن "ہاں میر صاحب۔ بتاؤ نہ۔ کہ پھر کیا ہُوا"؟

ذاکر "آہا۔ خیر سے آج آپ بھی بولیں"۔

کریمن "اے ہے۔ بس بتاؤ بھی"۔

ذاکر "مُوکلوں نے اطلاع دی ہے کہ شاہ جی آج شام کو آئیں گے"۔

شام کا وقت ہے۔ دونوں وقت مل رہے ہیں مسجدوں میں اذانیں ہو رہی ہیں مندروں میں گھنٹے بج رہے ہیں۔ لوگ چراغ جلا رہے ہیں۔ پریم نگر گاؤں سے ایک شخص گیروے کپڑے پہنے چلا آ رہا ہے۔ اور جونہی فہیمن چراغ بتی ڈالتی ہے۔ ذاکر اور شاہ جی گھر میں داخل ہوتے ہیں۔

فہیمن "آؤ آؤ۔ شاہ جی۔ خوب راستہ دکھایا"۔

شاہ جی "مائی۔ تو نے میرا بڑا نقصان کرایا۔ مجھے تو ایک بڑی نعمت ملنے والی تھی"۔

کریمن "ہیں ہیں شاہ جی کیا ہُوا۔ مجھے بھی تو سُناؤ"۔

شاہ جی "مَیں ان دنوں تبّت کے پہاڑوں پر گیا ہوا تھا۔ کل صبح سب سے بڑے پہاڑ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین سانپ بچھوؤں سے پُر ہے اور طرح طرح کی بوٹیاں اُگی ہوئی ہیں۔ رات ہونے لگی تھی۔ میں نے لکڑی پر ایک اسم پڑھکر اُس سے ایک حلقہ بنایا جس قدر سانپ بچھو تھے سب پرے پرے بھاگ گئے۔ اور جو اندر تھے وہ مر گئے۔ اُن کو میں نے لکڑی سے باہر پھینک دیا۔ اور اپنا بستر اجمایا"۔

کریمن و رحیمن "ہے ہے میں مر گئی۔ شاہ جی آپ رات کو سانپ بچھوؤں میں سوئے"۔

شاہ جی "ہاں بیٹیو۔ رات کو اپنے بستر پر بیٹھکر اپنے مولا کا نام پڑھتا رہا۔ پہاڑ کی بوٹیاں اپنے اپنے وصف بیان کر رہی تھیں۔ ایک نے کہا۔ کہ اگر میرا عرق مرتے ہوئے آدمی کو پلادو

تو سو برس جیتے ہیں۔ ایک نے کہا کہ اگر پھول کسی پارہ چاندی پر ڈال دو تو سونا بن جائے۔ ایک نے
کہا کہ اگر میری لکڑی کا اثر یہ بتا کر سو برس کے اندھے کو لگایا جائے تو فوراً آنکھیں روشن
ہو جاویں۔ میں یہ باتیں غور سے سن رہا تھا کہ آندھی سی چلنے لگی۔ میں نے غور کی تو ایک
ہاتھی جیسا موٹا اژدہا جو کم از کم دس ہاتھیوں جتنا لمبا ہوگا۔ پہاڑ کی ایک کھوہ سے نکلا اور
پھنکاریں مارنے لگا۔ تھوڑی دیر میں اس اژدہے نے ایک مٹکی جیسا گولا اُگلا۔ اُس
کے اُگلتے ہی عالم نورانی ہو گیا۔ اژدہا چھلانگیں مارتا کوسوں دُور چلا گیا۔ بوٹیوں نے چھپانا
شروع کیا۔ میں جھٹ پٹ اُٹھا۔ سب سے پہلے میرا ہاتھ سونا بنانیوالی بوٹی پر پڑا۔ اور میں نے اُس
سے جھولی بھر لی۔ کہیں میری خوشبو اُس اژدہے کو پہنچ گئی۔ وہ پھنکارے مارتا میری طرف
آیا۔ اور میں وہاں سے اسم پڑھتا ہوا بھاگا۔ اسم کے اثر سے یہ اژدہا پرے ہی
بھاگ گیا۔ مگر افسوس ہے کہ اپنا مَن اُٹھا کر لے گیا۔ میں نے سوچا کہ کل اسکا مَن بھی لوں گا کہ اتنے
میں میاں ذاکر کا پیغام پہنچا۔ اور میں صبح کی نماز پڑھ وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ اور اب
تمہارے پاس آن کر پہنچا ہوں"۔

کریمن رحیمن شاہ جی کے پاؤں دبانے لگیں اور کہنے لگیں۔

کریمن"۔ شاہ جی۔ وہ سونا بنانیوالی بوٹی کہاں ہے؟"

شاہ جی"۔ ہے گی۔ میرے پاس ہے۔ میں اُسے اپنے تکیہ میں چھوڑ آیا ہوں"۔

اتنے میں مصر جی بھی گھر داخل ہوئے۔ اور دوسرے لالہ بھی۔ دونوں فقیر کو دیکھ کر نہال
نہال ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر کی گپ شپ کے بعد یہ تجویز ہوئی۔ کہ جس قدر سونے کا
زیور بڑی و چھوٹی کا اور جسقدر مصر اور لالہ کی جورو کا ہے سب بیچکر چاندی خریدی
جاوے۔ اور پھر شاہ جی اُسے سونا بنا دیں اور کل دن کو انتظام ہو۔ اور رات کو سونا بنایا
جاوے۔ جو مارد ممکن ہو ذاکر سے لیجائے۔ اور کسی کو خبر نہ ہو۔

ذاکر"۔ شاہ جی۔ میں بھی کچھ چاندی لے آؤں"؟

شاہ جی"۔ ہاں بیٹا۔ تم بھی لیتے آنا جب دریا بہتا ہو۔ تو اُس میں سے جسکا جی چاہے
پانی پی لے۔ دریا تھوڑا ہی جاتا ہے"۔

شاہ جی رات کو اپنے گھر چلے گئے۔ دوسرے دن ذاکر نے اپنے دو سو روپیہ مصر کو دئیے۔ اور
مصر اور لالہ نے تقریباً ایک ہزار کی چاندی خریدی۔ کیونکہ اُنکو اپنی جوروؤں سے بہت کم زیور

ہاتھ لگا۔ شام ہوئی۔ شاہ جی آ گئے۔ بہت سے لوٹے کھنگالے گئے۔ اور ایک تھلیا میں چاندی بھر کر اُس پر کچھ پتّے منہ بند کر کے بُہت سے اوپلوں میں داب دی گئی۔

شاہ جی نے کہا۔ بس آرام سے سو رہو۔ صبح کو سونا ہی سونا ہے۔ سب لوگ لیٹ گئے۔ مگر خوشی سے نیند نہ آئی۔ صبح ہوتے ہی شاہ جی نے کہا کہ میں جنگل پھر آؤں اور نماز پڑھ آؤں۔ دیکھنا جب تک میں نہ آؤں اسے ہاتھ نہ لگانا۔

صُبح ہوئے مدّت ہو گئی۔ لوگ نماز پڑھ کر اپنے اپنے گھر واپس آ گئے۔ مگر شاہ جی کا پتہ نہیں

مصر "میر صاحب شاہ جی اب تک نہیں آئے"

ذاکر "مصر جی کچھ فکر نہیں وظیفہ پڑھتے ہونگے دیکھو میں لاتا ہوں"

یہ کہکر میر صاحب روانہ ہوئے۔ اور اپنے گھر میں مزے سے آن کر بیٹھ گئے۔ آٹھ بجے نُو بجے دس بجے۔ نہ میر صاحب کا پتہ ہے اور نہ شاہ جی کا۔

فہیمن کئی دفعہ ذاکر کے گھر پر آئی۔ اندر سے جورو نے کہدیا۔ کہ وہ تو رات کی باہر گئے ہوئے ہیں ان لوگوں کے پیٹ میں چھوٹے چوہے اور لالہ نے کہا کہ میاں ذرا اِس ٹھلیا کو نکال کر تو دیکھو۔

فہیمن "نہیں میر صاحب کو آ جانے دو۔ اُن کے بھی تو دو سو روپیہ ہیں۔ وہ یہ نہ کہیں کہ خود بہت سا سونا لے لیا"

لالہ "اجی تم پہلے اپنی چاندی تو پوری کر لو۔ سونا کس کا"

یہ سنکر سب کے پیٹ میں ہول اُٹھی۔ اور راکھ میں سے ٹھلیا کو نکالکر توڑا تو رانگ کا ایک ڈلا نکل پڑا۔ لالہ نے چیخ کر کہا "یہ تو رانگ ہے رانگ"

مصر "رام رے رام اس فقیر........ نے لُوٹ لیا"

کریمن "ہائے میرا زیور۔ ہائے میں تو لُٹ گئی"

رحیمن "ہائے بڑی تجھے خدا کی مار۔ تو نے مجھ کو بھی لُٹوایا"

لالہ "ارے اس میر صاحب کو پکڑو۔ یہ سب اس کی جعلسازی ہے"

مصر "اری۔ نواب صاحب کو تو بلا لاؤ"

نواب صاحب آئے۔ مصر نے ماجرا بیان کیا۔ وہ اُسکی حماقت پر خوب خفا ہوئے کہ پہلے اطلاع کیوں نہ کی۔ آخر صلاح ہوئی کہ مرزا جی کو اطلاع کی جاوے۔

فہیمن دوڑی دوڑی گھر آئی۔ اماں جان سے سارا حال بیان کیا۔ اُنہوں نے میر والد سے کہا۔

ابّاجان نے اِن عورتوں کو مکان اپنے پر [illegible] کیا۔ سب سے صلاح کر کے پولیس کو اطلاع دی۔ تھوڑی دیر میں تھانہ دار صاحب معہ چند برقندازوں کے آن موجود ہوئے۔ میاں ذاکر پکڑے ہوئے آئے۔ وہ صاف انکار کر گئے کہ میں تو جانتا بھی نہیں۔ کہ کون شاہ جی۔ اور کون کریمن اور مصر۔

تین ماہ تک پولیس نے تحقیقات کی معلوم ہُوا۔ کہ پریم نگر میں جو دہلی سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ ذاکر کے بہنوئی جعفر رہتے ہیں وہ بہت سے بھیس بدلتے ہیں۔ ایکدفعہ جعلی سکّہ بنانے میں پہلی بھی قید ہو چکے ہیں۔ وہ بھی پکڑے ہوئے آئے۔ پولیس نے مقدمہ تیار کر کے چالان کر دیا اور عدالت سے جعفر کو تین برس کی اور ذاکر کو ایک سال کی قید ہوئی۔

اب ابّاجان نے اِن عورتوں کو اپنے مکان سے اٹھوا دیا۔ اور اُنھوں نے بنڈارت کے کوچہ میں مکان کرایا لیا۔ کبھی کبھی فہیمن ہمارے ہاں آیا کرتی تھی۔

مدرسہ

پاٹیچال۔ وہ یار جانعالم تم نے کریمن وغیرہ اور شاہ جی کا تو خوب حال بیان کیا۔ اب اپنا حال سُناؤ۔"

میں۔ وہ چھ برس کی عُمر میں مسجد میں پڑھنے بیٹھا۔ دو برس تک مُلّا حسن کے پاس پڑھتا رہا۔ چار برس نواب صاحب کے پاس پڑھا اِس عرصہ میں قرآن شریف عُمدہ طور سے یاد کر لیا۔ کریما خالق باری مامقیماں فارسی میں، اور چند کتابیں اُردو کی پڑھ لیں۔ اور املاء وغیرہ بھی اچھی طرح لکھنے لگا۔

ہمارے محلّہ میں ایک لڑکا مدرسے پڑھنے جایا کرتا تھا۔ وہ میرے ساتھ اکثر کھیلا کرتا اور اکثر اوقات میں اُسکے گھر اور وہ میرے گھر کھیلتے رہتے تھے۔ اُس کا نام احمد شاہ تھا۔

ایک دن احمد شاہ میرے گھر کھیل رہا تھا۔ اُس نے میری والدہ سے کہا خالہ جان جانعالم کو مدرسے پڑھنے بٹھا دو۔ ہم دونوں بھائی ساتھ جایا آیا کریں گے۔

میری والدہ نے میرے والد سے مشورہ کیا۔ اور اُنھوں نے اُس تجویز کو پسند کیا۔

دوسرے دن احمد شاہ کے ہمراہ میں مدرسہ گیا۔ اور مدرسہ میں داخل ہُوا۔

چند روز گلاب میرے ساتھ آیا جایا کیا۔ پھر میں اور احمد شاہ اکیلے آیا جایا کرتے تھے۔ اب تین برس کا عرصہ ہو گیا تھا میں آدھے وقت مدرسے جایا کرتا تھا اور آدھے وقت قرآن شریف پڑھا کرتا تھا فرصت کم ہوتی تھی۔ میں اپنی قدیم شفیق مُلّانی اور قدیم محبوب صغرا کو بالکل بھول گیا تھا توبہ

تو بہ - بھول گیا - اُن کا اُن کی جگہ میرے دل میں تھی - ہاں ان کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوتا تھا
مدرسے سے چار بجے چھٹی ملتی تھی - احمد شاہ نے کہا - کہ چلو آج ذرا اپنی خالہ کے ہاں ہو آئیں -
اُس کی خالہ کا گھر ہسپنڈنٹ کے کوچہ میں تھا - اور جبکہ احمد شاہ کی خالہ کے ہاں جا رہے تھے کہ
پیاری بُلاقن کا گھر سامنے دکھائی دیا -

بُلاقن نے مجھ پر ایسی مہربانی نہیں کی تھی کہ میں اُسے بھول جاؤں میں نے اپنے دوست
سے کہا کہ تم اپنی خالہ کے ہاں جاؤ - اور میں یہاں (گھر کی طرف اشارہ کر کے) اپنی دینی بہن
سے مل آؤں "

احمد شاہ "نہیں تم بھی چلو کچھ مضائقہ نہیں ہے "

میں "نہیں میں اپنی دینی بہن سے بہت روز سے نہیں ملا "

میں نے کنڈی کھٹکھٹائی - اندر سے ایک سُریلی آواز آئی - کون ہے "؟

میں "میں ہوں جان عالم "

بلاقن "آہا - میں صدقے - بھائی تم اندر کیوں نہیں آتے "

میں اندر گیا - بُلاقن نے مجھے گلے سے لگایا - اور سب کی خیریت پوچھی - اور کہا - کہ
بھائی تم ہم سے خفا ہو گئے - جو اب تک ہمارے ہاں نہیں آتے - ہاں بھائی ہم غریب آدمی جو ہوئے "

میں - (شرما کر) "نہیں آپا جان - یہ بات تو نہیں ہے - اصل میں مجھ کو فرصت نہیں ہوتی -
صبح کو قرآن شریف پڑھتا ہوں - پھر مدرسے چلا جاتا ہوں - چار بجے وہاں سے چھٹی ہوتی ہے
اور گھر جاتے جاتے شام ہو جاتی ہے -

بلاقن اپنے گھر کے واسطے کھانا پکا رہی تھی - اور میرے واسطے بھی اُس نے دو ایک کھانے
اور پکانے شروع کئے - تھوڑی دیر میں کریم مستری آئے اور مجھ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے -
بُلاقن نے کریم مستری سے کچھ چُپکے سے کہا - اور کریم بازار سے جا کر کچھ لایا - ہر چند میں نے
جانا چاہا - مگر بلاقن نے ہزار ہا قسمیں دیں - کہ کھانا کھا کر جانا -

بے شک اُن کا کھانا بہت سادہ تھا - مگر مجھے تو ایسا لطف آج تک کسی امیرزادہ کے
کھانے میں بھی نہیں آیا -

احمد شاہ مجھے بُلانے آیا - اور بلاقن نے اُسے بھی روکنا چاہا - مگر وہ بضد ہو کر چلا گیا -
چونکہ مدرسے سے گھر آنے کا وقت گذر چکا تھا - والدہ صاحبہ کا میری طرف دھیان لگا ہوا تھا

اور جب کچھ تو رات ہوگئی تو اُنکی تسکین ہر طرح ہوگئی - اور ادھر اُدھر کی باتیں کرکے اُٹھ پھرے - چار گھڑی رات گئے مَیں گھر پہنچا -

والدہ - جانعالم - بیٹا تم اِس وقت تک کہاں رہے ؟"

مَیں "- آپا بُلاقن کے ہاں چلا گیا تھا "-

والدہ "- آہا بُلاقن کس طرح ہے - تم تو بہت روز کے بعد اُن کے ہاں گئے "-

مَیں "- اچھی ہیں - آپ کی خدمت میں سلام کہا ہے "-

والدہ - اس قدر دیر کیوں ہوگئی "- ؟

مَیں "- کھانا کھانے میں دیر ہوگئی - مَیں نے بہتیرا انکار کیا - مگر اُنہوں نے کھانا کھائے بغیر نہ آنے دیا "-

والدہ "- آہا کس محبت کی لڑکی ہے جانعالم اَب کے اتوار کو وزیرن کو لیجاؤ اور اپنی بہن بُلاقن کو لِوالاؤ "-

بچھڑے مِل گئے

مارچ کے مہینے کا اختتام ہے - ہفتہ کے روز لڑکے مدرسہ سے پڑھکر نکلے ہیں - اتوار کی خوشی منا رہے ہیں - مَیں خوش ہوں کہ کل پیاری بلاقن کو اپنے گھر لاؤں گا - رات کا بہت سا حصّہ انہیں باتوں میں گذرا - علی الصبح مَیں اُٹھا اور وزیرن کو لے بلاقن کے گھر پہونچا "-

وزیرن "- (بلاقن کو سلام کرکے) "بیگم صاحب نے آپ کو بہت بہت سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ مجھ سے آن کر ایک دن کیواسطے ضرور مل جاؤ "-

بُلاقن نے خاموشی کے ساتھ اپنے خاوند کی طرف دیکھا -

کریم مستری بُڈھا گھاگ تھا - سمجھا کہ بلاقن کی جانے کی مرضی ہے - اور جوان جورو کا دِل ہاتھ میں لینے کے لئے اُسکو اجازت دینی پڑیگی -

کریم "- بی وزیرن - ہم غریب آدمی ہیں امیروں سے ہمارا کیا میل "-

وزیرن "- چھوٹے میاں سے جو آپ محبّت کرتے ہیں - مرزا صاحب اور بیگم صاحبہ آپ کے بہت احسانمند ہیں - اور چاہے کچھ ہی ہو - آپ کو اپنی بیوی کو بھیجنا ہی پڑیگا میرے ساتھ نہ بھیجو گے - تو بیگم صاحبہ خود لینے آویں گی "-

بلاقن - اِے اشرافوں سے ملنے کا کچھ ڈر ہے - آخر ہم بھی تو شریف ہی ہیں - اگرچہ شر ذلیل

اخلیا کر کیا تو کیا ہوا۔ یہ تو عجیب اللہ ہے"

کریم: "میں کب منع کرتا ہوں۔ جاؤ ہو آؤ۔ شام تک واپس آجانا۔"

دن کے آٹھ بجنے کو تھے بلاقن پیاری ہمارے گھر داخل ہوئی۔ یہاں اماں اور ابا جان کی صلاح ہو گئی تھی۔ کہ بلاقن کا تمام کمال حال اسکی اپنی زبان سے خود سنیں۔ رات کو کھانا کھا کے بعد دالان میں پردے ڈال بیٹھ جاویں تا کہ ابا جان باہر سے سنیں اور اماں جان اندر۔ سارا دن ہنسی خوشی گذرا۔ والدہ صاحبہ نے بلاقن کی وہ مدارات کی کہ باید و شاید۔ مگر وہ حیران تھیں۔ کہ بلاقن کس درجہ کی نیک سلیم الطبع اور دانا لڑکی ہے۔ اسکا ادب آداب دیکھ کر وہ کہتی تھیں کہ امیرزادیاں اور شہزادیاں اس کے آگے مات ہیں۔

شام کے وقت گلاب کریم مستری کو ملنے گیا۔ کریم نے ہر چند انکار کیا۔ مگر گلاب اسکو لیکر ہی آیا۔ نہایت تکلف کیا تھا مدارات میں۔ کریم کو ضیافت دی گئی۔ اور جب حقے پان سے فارغ ہو کر وہ جانے لگا تو اماں جان اور ابا جان کی سفارش پر اس نے بلاقن کو ایک دن اور ہمارے ہاں مہمان چھوڑنا منظور کر لیا۔"

رات کے دس بجے کھانے سے فراغت پا کر دالان کے پردے چھوٹے گئے۔ اور ایک آرام کرسی پردے کے پیچھے رکھی ہوئی تھی۔ ابا جان چپکے سے آن کر بیٹھ گئے۔

والدہ: "لو بلاقن۔ ایک دن تمہارے بھائی نے تمہارا کچھ حال بیان کیا تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ آج خود تمہاری اپنی زبان سے سنوں۔"

بلاقن: "خالہ جان مصیبت کی کہانی کا کیا سننا۔ جو کچھ بھائی نے بیان کیا۔ وہی میرا حال ہے۔"

والدہ: "نہیں بوا۔ جو تم بیان کرو گی۔ وہ کچھ اور ہی ہوگا۔ مردوے کس طرح کہتے ہیں تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ اصل یہ ہے کہ مجھ کو تمہارے ساتھ بڑی انسیت ہے اور میں تمہارا حال تمام کمال سننا چاہتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم بڑے گھرانے کی لڑکی ہو۔"

بلاقن: "اچھا خالہ جان۔ اگر آپکی یہی مرضی ہے تو خیر میں حاضر ہوں۔ مگر ذرا اپنا کلیجہ تھام کر سننا۔"

بلاقن نے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اپنا حال بیان کرتی تھی۔ اماں جان کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ جب اس نے اپنے چچا کے مارے جانے کا حال سنایا تو اماں جان کے منہ سے بے اختیار ایک آہ نکل گئی۔ مگر انہوں نے اپنے تئیں بہت سنبھالا۔ جب بلاقن ختم کرنے کو ہوا

اُسکی چچی کو لیگیا - اور رات کو اُسکی ماں پانی ڈھونڈھنے گئی اور کنوئیں میں گر کر مرگئی اور بلاقن ساری رات ایک درخت کی جڑ میں مُنہ دئیے پڑی رہی -

والدہ صاحبہ نے ایک زور کی چیخ مار کر بلاقن کو گلے سے لگا لیا - اور کہا ہائے اُسی وقت میرا دم کیوں نہ نکل گیا - ہائے بلاقن اُسی وقت تیری چچی کیوں نہ مرگئی - ہائے تو اکیلی جنگلوں میں ٹکرائی - میں حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے - اور بلاقن خود متعجب تھی کہ پردے کے پیچھے سے کسی مرد کے رونے کی آواز آئی " ہائے بلاقن میں کیوں نہ تیرے ساتھ ہوا - ہائے بلاقن تیرے پر مصیبت پڑی حیف میں نے تیرے اوپر بڑا ظلم کیا - الٰہی میرے گھوڑے کی ٹھوکر کیوں نہ لگی کہ میں اور بیگم وہیں رہ جاتے "

پردہ کے باہر جاکر دیکھتا ہوں کہ آبا جان رو رہے ہیں میں حیران تھا کہ اُن کو کیا ہوا گیا -

بلاقن کی ہچکی بندھی ہوئی تھی - ایک گھنٹہ تک یہی عالم رہا اور آخر اماں جان نے کہا -

والدہ " بلاقن پہچانتی ہو کہ میں کون ہوں "

بلاقن " نہیں "

والدہ " میں وہی تمہاری بدنصیب چچی ہوں - خدا میں تم سے علیحدہ ہوئی اور یہی میرے سوار ہیں جو آج پردے کے پیچھے رو رہے ہیں اور اُس دن مجھکو گھوڑے پر لیکر بھاگ گئے تھے "

مثل مشہور ہے " اُدھ نگلنے کو ٹھیلے کا بہانا " بلاقن تو بھری بیٹھی تھی - آغا جان کے گلے سے لگ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ سننے والوں کے کلیجے شق ہونے لگے - اور محلے والے حیران ہوئے اس گھر میں جو خوشی و خورمی کے واسطے مشہور ہے رونا کیسا -

والدہ - بیٹی بلاقن - رونا موقوف کرو - آج سے تم میری بیٹی ہو - جانعالم کی ماں تمہاری چچی نہیں - آج سے تمہاری ماں ہیں - آج سے تم جانعالم کو اپنا حقیقی بھائی سمجھو "

والدہ " پیاری بلاقن بس بس بیٹی اپنے تئیں سنبھالو - ہمارے گھر آج تک کوئی بیٹی نہیں ہے - شکر ہے کہ اللہ نے ہماری بیٹی کو بلوا دیا "

میں یہ باتیں سُن رہا تھا - اور جب مجھے معلوم ہوا کہ پیاری بلاقن میری اپنی ہے تو میں نے اُسکے گلے میں ہاتھ ڈالکر کہا - کہ آپا جان مجھی کو کھاؤ - جو اب روؤ -

بلاقن نے میرا مُنہ چوم لیا - اور کہا کہ دور پار - بھائی میں تمہارے صدقے ایسی باتیں نہ کرو - اس رات بلاقن کی کہانی یہیں ختم ہوئی - اور سب چونکہ سُننے سے شغل رہ

مشاطہ گری

رات کو سارا گھر ایسا تھک کر سویا کہ صبح کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ سب سے پہلے پیاری بلاقن اُٹھی اور نماز پڑھتی تھی کہ میں بھی اُٹھا۔ گھر میں چون چالی پھیل گئی۔ اور سب کاروبار موافق دستور ہونے لگے۔

والد۔ (والدہ سے) "میں ذرا سبزی منڈی ایک باغ دیکھنے جاتا ہوں دیکھنا بلاقن کو کہیں جانے نہ دینا۔ میں شام تک واپس آجاؤں گا"

اماں جان نے کچھ آہستہ سے اُن سے پوچھا اور اُنہوں نے کہا کہ اچھا۔

بلاقن "ابا جان کہاں جاتے ہیں"

والدہ "ایک باغ خریدنے کی صلاح ہے اُسے دیکھنے گئے ہیں"

آہا۔ یہ کون چلا آتا ہے۔ کیا پیاری چال ہے کیسی محبت بھری نگاہیں۔

والدہ "او ہو۔ آؤ بی کریمن اچھی ہو"

کریمن "اے بی جانعالم کہاں ہیں۔ (اور بلاقن کی طرف اشارہ کرکے) یہ کون بیوی ہیں"؟

والدہ "ابھی آتا ہے۔ اور یہ میری بیٹی ہیں"

کریمن "اے بی تو یہ کہو۔ تمہاری یہ بیٹی کب پیدا ہوئیں"؟

اماجان بلاقن کا مختصر حال بیان کر رہی تھیں کہ میں گھر میں داخل ہوا۔ کریمن کو دیکھکر بڑی بڑی کیکر جھٹ گیا اور اُس نے مجھے گلے سے لگایا۔

کریمن "بیگم صاحب۔ آج میں قصداً اسواسطے آئی ہوں کہ جانعالم کی بیٹی جوڑ دیکھی ہے۔ لڑکی بڑی خوبصورت ہے۔ بیٹی ابھی دسویں لگی ہاں دسوں چراغ۔ کوئی تیرہ چودہ برس کی عمر ہے اور ہر طرح جانعالم کے لائق ہے"

والدہ "اجی بی ابھی ان بچّہ ہے شادی بھی ہو جاویگی۔ یہ تو بتاؤ وہ کون لوگ ہیں"؟

کریمن "ہاں بی منگنی کر دو۔ برس دو برس میں شادی کر لینا۔ وہ لوگ قوم کے مغل ہیں خوش لباس ہوتی اور تنگی اُنکے گھر میں انتہا درجہ کی ہے۔ ہاں غریب آدمی ہیں۔ غدر سے پہلے بادشاہ کے ہاں نوکر تھے اور اب تو کچھ کام کرتے ہیں۔ ہڈی کے اچھے ہیں"

ملیس "اچھی بڑی ہوا۔ اب تم نے کہاں مکان لیا ہے؟"

کریمن "اونی بے مروت مردوے۔ تو تو کبھی ہمارے ہاں آتا بھی نہیں۔ اب تو نے مجھ سے محبت چھوڑدی۔ جائیں تجھ سے نہیں بولتی۔"

ملیس "اچھی میری بڑی۔ بتا بھی کس جگہ گھر لیا ہے؟"

کریمن "پنڈت کے کوچہ میں آگے بڑھ کر جہاں ملا حسن کی مسجد ہے اس کے راستہ میں کیکر والے درخت کا مکان ہمارا ہے۔ اور اس کے پاس دو تین چھوٹے چھوٹے مکان اور بھی ہیں۔ وہیں تمہاری جورو بھی رہتی ہے۔"

جب کریمن پتہ بیان کر رہی تھی۔ مجھے پیاری صغرا کا خیال آیا۔ واقعی وہ ایسی خوبصورت ہے جیسا کہ کریمن کہتی ہے۔ ہائے وہ تو محبت کی پتلا۔ اور حسن کی پری ہے اور بیشک اب اس کی عمر تیرہ برس کی ہو گی۔

بلاقن "اے بی۔ ان کا کیا نام ہے؟"

کریمن "مردوں کے نام کی تو خبر نہیں۔ لوگ "مرزاجی مرزاجی" کہتے ہیں۔ لڑکیوں کا نام جانتی ہوں بڑی کا نام کبری ہے اور چھوٹی کا صغرا۔ صغرا بہت خوبصورت ہے۔ ایک میم اسے پڑھانے آتی ہے۔ اور اس نے صغرا کو لکھنا پڑھنا۔ کشیدہ کاڑھنا۔ سینا۔ پرنا۔ جالی۔ گلوبند۔ اور موزے بننا بھی سکھادیا ہے۔"

بلاقن "اماں جان سچ ہے جیسا یہ کہتی ہیں۔ وہ لڑکی ایسی ہی ہے۔ اور بیشک مرزاجی بڑے اصل والے ہیں۔ انکا نام مرزا اسد اللہ بیگ ہے۔ میری ماں کا گھر جس نے کہ مجھ کو غدر میں لیکر پالا تھا۔ ان کے گھر کے پاس ہے۔"

والدہ "ان کے گھر کیا ہوتا ہے؟"

بلاقن "بادشاہی میں نوکر تھے۔ جس دن سے دلی اجڑی وہ بھی اجڑ گئے۔ اب تو کچھ کام کرتے ہیں۔"

والدہ "اچھا بی کریمن جاؤ اس کے باپ سے پوچھکر تم کو جواب دوں گی۔"

کریمن دو چار گھنٹہ ٹھہر کر چلی گئی۔ میری بے اضطرابی اور بیقراری بڑھ گئی۔ اور میں نے کہا۔ کہ پیاری صغرا کو پھر اپنی آنکھ سے دیکھوں۔ اور سوچا۔ کہ اچھا بہانہ ہاتھ لگ گیا۔ کہوں گا آپا بلاقن کے ہاں گیا تھا۔ اور جاؤں گا کریمن کے ..

بلاقن کا حال

انوار کا سارا دن ہنسی خوشی گذرا۔ گلاب شام کو کریم مستری کو لایا۔ اور والدہ صاحبہ زنانے میں بلا کر اُسے پردے کے پیچھے بٹھایا۔ اور سب حال بلاقن اور اپنے تعلق کا بیان کیا۔

تھوڑی دیر میں ابا جان بھی آئے اور کریم مستری کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔

پردہ کے باہر مردوں نے اور اندر عورتوں نے کھانا کھایا۔ اور بعد فراغت بلاقن نے اپنا حال اس طرح بیان کرنا شروع کیا۔

بلاقن وہ ساری رات درخت کی جڑ میں منہ دیئے پڑی رہی۔ صبح چار گھڑی دن چڑھے اُٹھی بھوک سے نڈھال اور پیاس سے بدحال تھی۔ ایک درخت کے پتے نوچ کر کھائے گڑھے میں سے کچھ پانی پیا۔ کسی قدر تسلی ہوئی۔ ماں کو ڈھونڈتی پھری۔ وہ ایک کنوئیں میں تیر رہی تھی۔ جی چاہا کہ میں بھی کنوئیں میں چھلانگ ماروں۔ مگر ہائے جان بڑی پیاری ہے سارے دن اس کنوئیں پر بیٹھی رہی۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ اس طرف آن نکلا۔ تیسرے پہر اس خیال سے کہ شاید کوئی پناہ مل جاوے۔ سڑک پر آئی۔ دیکھا کہ ایک مرد۔ دو عورتیں اور تین بچے چلے جا رہے ہیں۔ میں انکے پیچھے پیچھے ہولی شام کے قریب سب ایک کنارے پر بیٹھکر سوکھی سی روٹی کھانے لگے اور ایک بڑھیا سی عورت نے مجھکو دھتکار کر پرے ہٹا دیا۔ ہائے کیسا سخت وقت تھا۔ شور قیامت مچا ہوا تھا۔ ہر ایک نفسی نفسی پکار تا تھا بلاشبہ مجھکو انکی سوکھی روٹی دنیا کی تمام نعمتوں سے اچھی معلوم ہوتی تھی اور اگر وہ مجھکو ایک ٹکڑہ بھی کھانے کو دیتے تو میں نہایت احسانمندی سے قبول کرتی۔ مگر میرا یہ ارادہ نہ تھا کہ اُن کے ہاتھ سے چھینوں۔ یا اُن سے مانگوں۔

جب میں یہاں سے مایوس ہوئی تو ادھر اُدھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ اندھیرا ہوتا جاتا تھا۔ جنگلی جھینگروں کی آوازیں کلیجہ چاٹتی تھیں۔ اور میرا خوف اور وحشت پل بہ پل بڑھتا جاتا تھا کہ دور سے مجھکو دو آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے نزدیک آئے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک مرد ادھیڑ عمر کے ہیں۔ میں کھڑی رو رہی تھی۔ عورت نے مجھکو پیار کیا۔ اور مرد نے گود میں لیا۔ اور جب اُنکو معلوم ہوا کہ میں لاوارث ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ تو ہماری بیٹی ہے۔

یہ نیک مرد اور شریف عورت قوم کے راج (معمار) تھے اُنہوں نے مجھکو بڑی تسلی سے رکھا میں

کئی برس اُنکے ہمراہ گاؤں گاؤں پھیری [illegible] جب سے

اُنھوں نے مجھے پرورش کیا۔ اللہ اُنکو جزا دے۔ جب میں تیرہ برس کی ہوئی تو اُن سے میری شادی

کر دی اور خدا کا شکر ہے کہ میرا خاوند گو غریب ہے مگر شریف ہے۔ اور مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔"

بچھڑے مل جاتے ہیں جب فضلِ خدا ہوتا ہے

جب پیاری بلاقن اپنا حال بیان کر چکی تو اُس نے میری والدہ سے کہا کہ "اماں جان کل تم نے

کہا تھا کہ تم میری چچی ہو۔ اور ہاں اب میں نے پہچانا کہ تم وہی ہو۔ میں تو بیقرار ہوں۔ تم مجھے اپنا

حال سُناؤ کہ پھر تم پر کیا بیتی"؟

والدہ۔ "بیٹی عارہ میں کس پر ایسی بیتی جو مجھ پر بیتی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میں بڑی عزّت سے

رہی۔ اُس وقت سوار کا مجھ کو لے بھاگنا غضب معلوم ہوتا تھا۔ مگر حقیقت میں اللہ کی

بڑی حکمت تھی۔ ورنہ وہ بدامنی کا زمانہ۔ میری جوانی کی عمر۔ چہرہ مہرہ کی خوبصورتی۔ خبر

نہیں کیا کیا بےعزتی کرواتی۔"

بلاقن۔ "ہاں ہاں۔ یہی تو میں سُنا چاہتی ہوں۔"

والدہ۔ "اپنے ابا جان سے کہو وہ اپنا حال سُنائیں گے۔ اور اُس میں میرا ذکر بھی کرینگے

اُن کی سرگذشت سُننے کے قابل ہے۔"

بلاقن۔ "ابا جان گستاخی معاف میں نے اپنی رام کہانی سب آپکے سامنے بیان کر دی۔ اب ادب سے

عرض کرتی ہوں۔ کہ اپنی کہانی بیان کر کے میرے مضطرب دل کو تسلّی دیجئے۔"

والد۔ "بیٹی میرا وطن دہلی ہے۔ میرا باپ مرزا فاضل بیگ بادشاہی طبیب تھا۔ ہم دو بھائی تھے مجھ

سے بڑے کا نام مرزا عبدالکریم بیگ تھا۔ اور میرا نام مرزا عبدالرحیم بیگ۔ اور پیار سے مجھ کو

سُلطان عالم بھی کہتے تھے۔ بڑا بھائی مجھ سے کئی برس بڑا تھا۔ بچپن میں میرے ماں باپ مجھ سے

بہت محبت کرتے تھے۔ اور عُمدہ سے عُمدہ کپڑا پہناتے تھے۔ اور سونے کے زیور میں لادے رکھتے

تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میرے ہاتھوں میں جڑاؤ سونے کے کڑے پڑے رہتے تھے۔

ہمارے گھر سے دو سو قدم کے فاصلہ پر میری خالہ کا گھر تھا۔ میرے خالو شاہی اصطبل کے داروغہ

تھے اور اُنکی ایک لڑکی نہایت خوبصورت تھی۔ اور جسکی عُمر بھی میری عُمر کے برابر تھی۔ اور مجھے یاد

ہے اور اُسکی تصدیق بھی ہو گئی ہے کہ خالہ اور اماں نے ہم دونوں کی شادی کرنا منظور کر لیا تھا

اس لڑکی سے مجھ کو کمال محبت تھی اور میں ساری دن خالہ کے گھر اس سے کھیلا کرتا تھا۔
جب مجھے کوئی ڈھونڈتا میں خالہ ہی کے گھر ملتا۔ اس واسطے میری غیر حاضری کی کسی کو چنداں پروا نہ تھی۔

ایک دن میں زیور پہنے خالہ کے گھر جاتا تھا کہ ایک بدمعاش سپاہی مجھے ملا۔ اور مجھے کہا کہ سامنے تمہارے ابا تمہیں بلاتے ہیں۔ آؤ میں چلیں۔ اس نے مجھے گود میں اٹھا لیا۔ پہلے حلوائی کے ہاں سے کچھ مٹھائی دلوائی۔ اور پھر دم دیتا ہوا جنگل میں لے گیا۔ یہاں اس نے میرا ان سے پہلے سارا زیور اتارا۔ اور پھر اپنی کمر میں سے ایک بڑا سا چاقو نکالا۔ یکایک کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی اور وہ شقی مجھ کو تنہا چھوڑ کر کہیں بھاگ گیا۔ میں اس جنگل بیابان میں کھڑا رو رہا تھا۔ کہ کچھ پٹھان جنکا اسباب اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ مجھے ملے اور مجھے روتے ہوئے دیکھا اونٹ پر بٹھا کر اپنے ساتھ لیگئے۔ مجھے یاد ہے کہ میں چند روز بہت رویا۔ مگر پھر ان کیساتھ ہل گیا۔
یہ پٹھان دہلی میں اپنا میوہ بیچکر اور دہلی سے کچھ اسباب لیکر کابل جاتے تھے۔ پشاور میں جاکر ان لوگوں نے مجھ کو ملک صالح محمد کے ہاتھ بیچ ڈالا۔
یہ شخص بڑی املاک والا اور نہایت خلیق تھا۔ اس نے مجھ کو اپنے بچوں کی طرح پالا اور تعلیم و ترتیب کی۔ اٹھارہ[18] برس کی عمر میں انگریزی فوج میں بھرتی ہوا۔ اور دوسرے سال دہلی کی فتح میں شامل ہوا۔

یہ تو تمکو خبر ہی ہے کہ میں تمہاری چچی کو جو سوار لے بھاگا تھا۔ وہ میں ہی تھا۔
اسوقت میں رسالہ کا جمعدار تھا جب میں تمہاری چچی کو رسالہ میں لے گیا۔ تو انہیں عزت کیساتھ الگ خیمہ میں رکھا۔ اور ان کے کھانے پینے اور پہننے کی بہت ہوشیاری رکھی۔ چند روز وہ بہت ترش رہیں اور مجھ سے بات تک نہ کرتی تھیں مگر میں دو وقت بلا ناغہ ان کی مزاج پرسی کو جاتا تھا۔
مہینہ بھر کے بعد جب میں انکے خیمہ میں گیا اور ان کا مزاج پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "تم کون ہو اور مجھے کیوں قید کر رکھا ہے اور مجھے کیا کرو گے"؟
میں نے جناب میں بھی اسی دہلی کا باشندہ ہوں۔ میری کہانی دردناک ہے کیوقت آپ سننا چاہیں گی تو سناؤں گا۔
دہلی میں آجکل بے امنی ہو رہی ہے۔ بڑی بڑی شریف اور امیر زادیاں اجنبی لوگوں کے ہاتھ

بے عزت کی جاتی ہیں۔ سبب تم میں سے محبت کی بو آتی ہے۔ ذلیل ہوگئے ہیں تمہارے دل
کی ہے۔ کہ تم زمانہ کے ہاتھ محفوظ رہو۔ اور تمہارے ننگ و ناموس کو صدمہ پہونچے۔ اور یہ جو
پوچھتی ہو کہ میں تمہیں کیا کروں گا۔ سو غرض یہ ہے کہ تمکو اپنے گھر کی مالک بناؤں گا۔ تم میرے
گھر کا چراغ ہوگی۔ تمہارے ساتھ شرعاً نکاح کروں گا۔ تم میرا سارا حال سُن لو۔ اور اُس وقت
یا تو مجھے اپنی خدمت میں قبول کرو۔ ورنہ جہاں کہو۔ میں تمہیں پہنچا دوں۔"

تمہاری چچی: "اچھا آپ اپنا حسب نسب بیان کیجئے۔ اور سب خلاصۂ حال بتایئے
اُس وقت میں آپ کو مناسب جواب دوں گی۔"

میں: "اسوقت مجھ کو پہاڑ پر جانا ہے۔ شام کو آن کر یہ سب قصہ آپ کو سنا دوں گا۔"

بیگم کی ان باتوں سے میرے دل میں کچھ تسلی اور کچھ بیقراری پیدا ہوئی۔ میں شام کو
اُنکے خیمہ میں گیا۔ وہ اندر بیٹھی تھیں اور میں باہر۔ اُنہوں نے کہا کہ ہاں اب آپ اپنا قصہ
سنائیے۔ میں نے کہا کہ کلیجہ تھام لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو پاش پاش ہو گیا۔ میں نے
کہا ان ٹکڑوں کو سنبھال لیجئے۔

میں نے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا۔ میں دیکھتا تھا کہ اندر سے برابر رونے کی آواز
آرہی ہے۔ جب میں اپنا سب حال بیان کر چکا تو انہوں نے کچھ حیرت سے پوچھا کہ
"تمہاری خالہ اور خالو کا نام کیا تھا۔ اور وہ کس طرف رہتے تھے"؟

میں ان باتوں کا پورا جواب بھی دینے نہ پایا تھا کہ اندر سے حسینہ کی پری مجھ سے آن کر
چمٹ گئی۔ اور کہا کہ "جس کی ساری عمر مجھے خواہش تھی وہ آج مجھ کو مل گیا۔ تمہاری خالہ کی
بیٹی جس کے ساتھ تمہاری شادی ٹھہری تھی۔ وہ میں ہی ہوں" خون کے جوش نے زور مارا
اور ہم نے ایک دوسرے کو پہچانا۔"

جب ابا جان یہ باتیں کر رہے تھے اماں جان اندر برابر رو رہی تھیں۔ میں دیکھتا تھا
کہ کریم مستری کچھ بیچین ہے۔ اور جب اُس نے اندر سے رونے کی آواز سُنی۔ تو وہ بے اختیار
رونے لگا۔ میں لپک کر دوڑا کہ خیر تو ہے۔ بلاقن بے اختیار پردہ سے باہر نکل آئی۔
اور والدہ اپنا رونا بھول کر اس طرف متوجہ ہوئیں۔

کریم مستری: "خاندان کا نام برباد کرنیوالا۔ بزرگوں کی عزت کھونیوالا مرزا عبدالکریم
بیگ میں ہی ہوں"

کریم مستری پورا فقرہ بھی کہنے نہ پایا تھا کہ اباجان اُسے چمٹ گئے۔ آماں جان پردہ سے باہر نکل آئیں۔ ایک دوسرے سے ملکر اِس قدر روئے کہ ساون بھادوں کی جھڑی لوگوں سے بھول گئی۔

کریم مستری "بھائی ہمیشہ آماں تمہارے واسطے روتی ہیں۔ سارے زمانہ میں تمکو تلاش کیا۔ مگر کہیں تمہارا پتہ نہ لگا۔ آباجان روتے روتے مر گئے۔ آماں جان ابھی زندہ ہیں۔ مگر ہمیشہ تمکو یاد کرتی رہتی ہیں۔"

آباجان اور عمّو جان (کریم مستری) اُسی وقت دادی صاحبہ کی خدمت میں گئے۔

عمّو جان نے دادی صاحبہ کو آباجان کے سب پتے بتائے۔ انہوں نے اباجان کو کلیجہ سے لگایا۔ بہت روئیں۔ اور پھر بہت خوش ہوئیں اور راتوں رات ہمارے گھر آئیں۔ والدہ صاحبہ نے اپنی خالہ کو آسانی سے پہچان لیا۔ گھر بھر میں اس قسم کی خوشی ہوئی کہ گویا مُردے جی اُٹھے سب نے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ اور چونکہ بچہ اُن میں مَیں ہی تھا۔ سب کا لاڈلا بن گیا۔

دادی صاحبہ "بیٹے جب جانعالم کو دیکھا تھا مجھے اپنا سلطان عالم یاد آتا تھا۔"

عمّو جان "ہاں آماں جان۔ میرے بھی دل میں یہی خیال آتا تھا۔"

دادی صاحبہ "واری سُلطان عالم۔ بیٹا تم پر کیا کیا بیتی۔ میرے گھر سے نکلکر۔ مجھے بھی تو سُناؤ۔"

والد "آباجان نے اپنا سب حال سُنایا کہ بدمعاش زیور کی خاطر اُن کو جنگل لے گیا اور مار ڈالنا چاہا۔ مگر پٹھانوں سے ڈر کر بھاگ گیا۔ پٹھان پشاور لے گئے۔ وہاں ملک محمد صالح نے انہیں خریدا۔ اُدھر فوج انگریزی میں بھرتی ہوئے۔ غدر میں دہلی فتح کی۔ اور آماں جان اِس طرح اُن کے ہاتھ لگیں۔ وغیرہ وغیرہ۔"

غدر کی بہادری کے صلہ میں وہ رسالدار بنائے گئے اور کابل کی لڑائی میں نمایاں کامیابی حاصل کرنیکے سبب اُنکو ہزار روپیہ کی جاگیر دی گئی اور پنشن لیکر دہلی میں رہنے لگے۔

دادی جان نے اپنا سارا حال بیان کیا کہ غدر سے چند روز پہلے دادا جان کا انتقال ہو گیا غدر میں بہت تکلیف پہنچی۔ اگلا پچھلا سب اثاثہ لُٹ گیا۔ غدر کے بعد چند روز نہایت تکلیف میں کاٹے۔ آخر عبدالکریم نے راجگیری کا کام سیکھا۔ اور جب سے بیٹا مغلی اور مرزائی ہمارے خاندان سے گئی۔ اور اب "کریم مستری" اور مَیں اُس کی ماں کہلاتی ہوں۔

چند روز دادی چچا۔ چچی ہمارے گھر رہے۔ کریم نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا۔ آباجان نے اپنی جائداد کا داروغہ اُس کو بنا دیا۔ اور تیس روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی۔ اور

دس روپیہ ماہوار اپنی ماکو دینے لگے اور کپڑا زیور اور بہت سی سوغاتیں چچی یعنی پیاری بلاقن کو دیں :-

مُلاقات

جب تک پیاری بلاقن ہمارے گھر میں ہی رہیں نے مشکل سے دن کاٹے ۔کیونکہ مجھے گھر سے باہر رہنے کے لئے کوئی بہانہ نہ ملتا تھا۔

بارہ تیرہ دن کے بعد جمعہ کو بلاقن اپنے گھر سدھاریں ہیں نے جمعہ کا دن جُوں توں کر کے کاٹا اور شام کو اباجان سے کہا کہ آج شام کو آپا بلاقن کے ہاں جاؤں گا۔ اور پرسوں شام کو آؤں گا۔ کیونکہ کل آخر ہفتہ کی اور پرسوں اتوار کی چھٹی ہے۔

والدہ: "اچھا بیٹا۔ پرسوں شام کو ضرور آجانا"

شام ہونے کو ہے۔ دونوں وقت مل رہے ہیں مسجدمیں اذانیں ہورہی ہیں - فقیروں کی آوازیں آنی شروع ہوگئی ہیں۔ چراغ روشن ہوگئے ہیں حلوائیوں نے اپنی مٹھائیاں سجادی ہیں۔ چڑیاں بسیرا لیکر خاموش ہوگئی ہیں۔ سودے والے اپنا سودا للک للک کر بیچ رہے ہیں شوقین شریف بھیس بدلکر اپنے آشناؤں کے ہاں جارہے ہیں۔ آپکا دوست مرزا جانعالم اُمنگیں دل میں لیئے ہوئے کھاری باؤلی سے چلا ہے کہ کسی طرح اپنی پیاری صغرا کو دیکھے۔

پنڈت کے کوچہ میں ایک مکان کے دروازہ پر جاکر ٹھہرتا ہوں۔ کان لگاکر سُنتا ہوں آواز تو کریمن کی ہے۔ اوہو۔ دروازہ کُھلا ہے۔ آہا پیاری صغرا کا مکان دیوار بیچ ہے۔ ذرا اندر جا گھستا ہوں۔

آوازیں - اُوئی اُوئی - یہ کون مردوا گھس آیا - خیر تو ہے - مردوے تو اپنی عقل کے ناخن لے - پرائے زنان خانے میں آنے والا تو کون ہے؟"

میں - اوئی اوئی - یا چُوئی چُوئی - مردوا یا سانڈ - دیوانی ہو - تو کدال سے فصد کھلواؤ - زنان خانہ یا پرستان - اس گھر میں اس طرح آنیوالے - ہم ہیں مرزا جانعالم"

فہیمن نے جلدی سے آن کر بلائیں لیں۔ کریمن ورحیمن نے گلے سے لگایا۔ بہت جلدی ہی کچھ کھانا اور مٹھائی میرے آگے لاکر رکھی۔ مگر میں نے اُن کی خاطر سے صرف تھوڑی سی مٹھائی کھائی :-

کریمن ۔ "لو مرزا جی ۔ آج خیر معمول کس طرح آنا ہوا ۔ خیر تو ہے ۔"

میں "کان ورے لاؤ ۔"

کریمن "کہو ۔"

میں "پیاری صغرا سے ملوا دو ۔"

کریمن "چپ رہو ۔ ایسی بات منہ سے نہ نکالو ۔"

میں "خدا کیواسطے ۔"

کریمن "کیا دو گے ۔"

میں "۔ جان تک حاضر ہے ۔"

کریمن "ملوانا تو مشکل ہے ۔ مگر رات کو تم یہاں رہو ۔ صبح کو پیاری دلھن صغرا تم کو دکھا دوں گی ۔"

میں "رات کو یہاں نہیں رہ سکتا ۔ مگر صبح کو آجاؤں گا ۔"

اِن عورتوں نے میرے رات کے رہنے پر بہت اصرار کیا ۔ مگر میں آبا جان کے خوف سے شب کو بُلاقن کے ہاں آن کر رہا ۔ دادی جان نے گلے سے لگایا ۔ بلائیں لیں ۔ پیاری بُلاقن نے گھونٹ گھونٹ کر پیار کیا اور رات کو اپنے پاس سلایا ۔

علے الصّباح چو مردم بکار و بار روند

بلاکشان محبّت بکوئے یار روند

صُبح ہی اُٹھ کر نماز کے بہانے سے کریمن کے گھر آیا ۔ یہ فضول باتیں میرا اس عشق پر خوب ہنستی ہیں ۔ ساڑھے سات بجے کے قریب ایک گاڑی کی آواز آئی ۔ میں نے دروازے میں سے دیکھا تو ایک خوبصورت یوروپین لیڈی دکھائی دی ۔ جو اپنی کتابیں اور چھتری ہاتھ میں لئے میری جان صغرا کے گھر میں گھس گئی ۔

میں نے یہ حال کریمن سے کہا اور اُس نے کہا کہ میاں ۔ ۔ ۔ اب تم اپنی شمع کو اچھی طرح دیکھ سکو گے ۔ آؤ اس کھڑکی کے پاس آؤ ۔ دیکھو یہ میم تمہاری دلھن کو بہت دیر تک انگنائی میں بیٹھ کر پڑھایا کرتی ہے ۔

بیچ کی دیوار جو صغرا اور کریمن کے گھروں کے درمیان تھی اُس میں چھوٹا سا موکھا تھا جس میں کچھ گودڑ ٹھسا ہوا تھا یہاں سے کھڑا ہو کر میں نے اپنی جان کو دیکھا ۔ یوروپین لیڈی

ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ پیاری صغرا کے سامنے ایک چھوٹی کرسی پر بیٹھی پڑھ رہی تھی ہائے ہائے
وہ تو حُسن کی پری ہے۔ یا الٰہی یہ تو ابھی پرستان سے اُتری ہے۔ پیاری صغرا جانی صغرا
یورپین لیڈی گو بہت خوبصورت ہے۔ مگر تمہارے مقابلہ میں وہ مات ہے۔ تم آفتاب ہو۔ وہ
چراغ ہے تم چاند ہو۔ وہ ستارہ ہے تم گُل ہو وہ خار ہے۔ آؤ پیاری آؤ۔ اپنے عاشق کے گلے
سے لگ جاؤ۔ رُخِ منور کا ایک بوسہ دیدو۔ اور دین ایمان۔ جان و مال جو لینا ہے سو لے لو۔

پیاری صغرا ایک اُردو کی کتاب پڑھ رہی ہے وہ تو بہت عمدہ طور سے پڑھتی ہے۔ ذرا
نہیں اٹکتی۔ اُردو کا سبق لے چکی تو اس نے انگریزی کا سبق لیا۔ آہا اُس کی تو انگریزی کی لیاقت
بھی اچھی ہے۔ اوہو۔ وہ ایک کاپی دکھا رہی ہے۔ آہا۔ اگر یہ میری پیاری صغرا کے
ہاتھ کا لکھا ہوا ہے تو وہ تو خاصی خوشنویس ہے۔ ہاں ہاں یہ اُسی کا لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ
لیڈی نے کہا۔ بہت اچھا ہے ایسا ہی لکھو۔ اللہ تیرا شکر ہے۔ کریمن کا بہت محتاج نہ ہونا پڑے
گا۔ اب تو کاغذوں کے گھوڑے دوڑاؤں گا۔

کریمن "کہو میاں دیوانے۔ ایسے محو ہوئے کہ ہوش و حواس جاتے رہے"

میں "اچھی میری بڑی۔ میرا ایک رقعہ صغرا کو دیدے"

کریمن "۔ اوئے مردوئے احمق ہوا ہے۔ میرا چونڈا منڈوا دیگا۔ چند روز صبر کر"

میں "نہیں نہیں۔ اچھی بڑی بوا۔ تو ضرور میرا یہ کام کر"

کریمن کچھ نیم راضی ہوئی۔ اور میں نے ایک کونہ میں بیٹھکر ایک رقعہ لکھا۔

پیاری صغرا! تمکو یاد ہو گا کہ ایک غریب لڑکا بارش میں بھیگتا۔ ایک دن تمہارے ہاں
پناہ گزین ہوا تھا۔ تم نے اُسکو اپنے ساتھ کھانا کھلایا تھا۔ اپنے ساتھ جھولا جھلایا تھا۔ کیا تم کو
یاد نہیں کہ وہ تم پر شیدا ہو گیا تھا۔ اب پیاری زمانہ نے ہم دونوں کو جوان کر دیا ہے۔ مرادوں
کی راتیں جوانی کے دن ہیں۔ کیا تم پسند کرو گی کہ اُس کو اپنا ہمدم اور ہمراز بناؤ۔ فقط

تمہاری صورت کا شیدا۔ مرزا جانعالم

میں نے یہ رقعہ لکھکر کریمن کو دیا۔ وہ موکھے کے پاس گئی اور بولی۔ ہمسائیو۔ کیا ہوا ہا
ہے۔ میری پیاری صغرا قدرتاً ملنسار تھی۔ دوڑی دوڑی اُسکے پاس آئی۔ کریمن نے چپکے سے
اُسے رقعہ پکڑا دیا۔ پھر اُسکی ماں اور بہن آنکر کریمن سے باتیں کرنے لگیں۔ اور صغرا رقعہ لیکر چلدی۔
کریمن قریب ایک گھنٹہ کے۔ کبری اور اُس کی ماں سے باتیں کرتی رہی اور اُسوقت میں

خط پڑھنے اور اُسکا جواب لکھنے کا اچھا موقعہ ملا۔ اسکی ماہن کریمن سے ذرا الگ ہوئی تھیں کہ پیاری صغرا آئی۔ اور ایک رقعہ کریمن کو دیکر چلی گئی۔ کہ اتنو دھوپ زیادہ ہوگئی۔

میں موکھے کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھا تھا۔ کہ کریمن کے ہاتھ میں رقعہ دیکھکر خوش ہوگیا۔ کریمن نے کہا کہ نہیں یہ رقعہ تمکو نہ دوں گی۔ میں تو اُسے پڑھواؤں گی۔ مگر میں نے ہزاروں قسمیں دیکر اُس سے رقعہ لیا۔ لکھا تھا۔

جانی مرزا! اگر مجھے خبر ہوتی تو آج خدا سے سب دعائیں مانگ لیتی۔ پیارے! جس دن سے میں نے تم کو دیکھا ہے۔ میں تم پر فریفتہ ہوں۔ اور تم یقین کرو کہ دنیا میں مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں سوائے تمہارے رُخِ منوّر کے جانی میں تمہاری ہوں۔ ہاں ہاں میں تمہاری ہوں جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے ماں باپ میری شادی کی فکر میں ہیں۔ بہت سی جگہ سے باتیں آتی ہیں۔ مگر میری اللہ سے یہی دُعا تھی کہ پیارا مرزا ہی میرا شوہر ہو۔ شکر ہے اللہ نے آج صبح کی میری دُعا قبول فرمائی پیارے۔ تم نے بڑی نادانی کی کہ غیر لوگوں کو اپنا محرم بنایا۔ اب اُن کو نہ بتّا اور مجھ سے رات کے دس بجے ڈیوڑی میں ملو۔ اُسوقت گھر کے سب آدمی سو جاتے ہیں۔ تمکو دروازہ کھلا ملیگا۔ اچھا پیارے اللہ حافظ۔

راقمہ

تمہاری فریفتہ۔ صغرا

رقعہ پڑھکر مجھ کو اِس قدر خوشی ہوئی کہ جس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اور شوق کے وہ ولولے اُٹھے کہ اُنکا روکنا مشکل تھا۔ مگر میں نے اپنے تئیں سنبھالا۔ اور مغموم شکل بنائی۔

کریمن: "جانِ عالم۔ اس رقعہ میں کیا لکھا ہے"؟

میں (تقریباً آنکھوں میں آنسو لاکر) "لکھا ہے۔ شریفوں کا یہ قاعدہ نہیں ہے۔ شرم کرو۔ اور عقل سے کام لو۔ بس بس کریمن یہی لکھا ہے۔ میں جاتا ہوں۔ میرے درد کا علاج تم سے نہوگا۔ خدارا کسی سے ذکر نہ کرنا۔"

وہاں سے بلاقن کے گھر آیا۔ سارا دن تڑپ تڑپ کر کاٹا۔ رات کے $9\frac{1}{2}$ بجے گھر سے نکلا کہ مسجد میں نماز پڑھ آؤں۔ گرمی کا موسم ہے۔ لوگ چل پھر رہے ہیں۔ غریب اور کنبہ دار محنتی آدمی سارے دن گرمی اور محنت سے تھک کر سو گئے ہیں۔ پیاری صغرا کا گھر اُجاڑ میں ہے۔ وہاں تو کوئی بلّی کُتّا بھی نہیں دکھائی دیتا۔ انسان تو کیا۔

میں چُپکے سے دروازے کو دیکھتا ہوں۔ آہا کھلا ہے۔ اندر جاتا ہوں۔ اور ایک کونے

میں الگ کھڑا ہو جاتا ہوں۔ مگر دل دھڑکانے سے نہیں۔ دھڑکھانے کے گھونگٹ سے نکل جائے
اُدھر اندر سے ایک آہستہ آہستہ قدم کی آواز سُنائی دی۔ میرا دل بلّیوں اُچھلتا تھا۔
پیری کے موافق ایک تصویر میرے سامنے آئی۔ اور جھجکا کر پڑے ہٹ گئی۔ میں
نے دیکھا کہ پیاری صغرا ہے۔

میں "پیاری پیاری۔ میں ہوں تمہارا عاشق جانعالم"

صغرا "میری جان مرزا۔ مجھ کو شرم آتی ہے"

میں "پیاری وقت ضائع نہ کرو۔ تم روح ہو۔ میں جسم۔ آؤ آؤ۔ اپنے قالب میں جگہ لو"

پیاری صغرا آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اور گردن جھکا کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی۔
اللہ اللہ۔ وہ تو مجسم خوبصورتی ہے صانع قدرت نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے خدایا!
اگر بہشت میں ایسی حوریں نہیں تو میں تیری جنت کو دُور سے سلام کرتا ہوں۔ نہیں۔ تیری
جنت میں ایسی ہی حوریں ہونگی۔ کیونکہ میری پیاری صغرا ابھی جنت سے آئی ہے۔

صغرا "آپ کا مزاج اچھا ہے۔ برسوں پیچھے آج شکل دکھائی۔ بڑے بے مروت ہو"

میں "شکر ہے دین دنیا کی نعمت آج مجھکو ملی ہے پیاری جو کہو ٹھیک ہے۔ اب تم مسیح ہو میں بیمار ہوں"

صغرا "ہاں ہاں۔ میں جسم ہوں تم جان ہو۔ میں لونڈی ہوں تم آقا ہو۔ میں تمہاری تابعدار
ہوں۔ بس بس تمہاری ہوں تمہاری۔ کہو کیا حکم ہے"

میں "جانی۔ تم میری سردار اور سر کا تاج ہو۔ تم میری روح اور میرا دل ہو۔ پیاری کوشش کرینگے
کہ شرعاً ماں باپ کی مرضی سے ہمارا تمہارا نکاح ہو جائے۔ دنیا کے دشوار گذار راہ کو ایک دوسرے
کے مشورہ سے طے کرینگے۔ اور عیش و آرام سے عُمر بسر کرینگے۔ لو جانی۔ ذرا گلے تو لگ جاؤ"

یہ کہکر میں نے صغرا کے اور صغرا نے میرے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اُس نے مجھ کو اور میں نے
اُسے چوما۔ کہ دونوں کے گال لال ہو گئے۔

صغرا "پیارے ذرا بہت دیر ہو گئی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی گھر میں اُٹھ بیٹھے۔ یا کوئی مجھکو ڈھونڈتا
پھرے۔ تو مفت بدنامی ہو گی۔ پیارے اللہ کو سونپا جاؤ۔ پیارے جاؤ۔ پرسوں اسی وقت پھر ملنا"
چلتے وقت ہم دونوں نے پھر ایک دفعہ ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ اور چند لمبے لمبے
آہیں بھریں۔ میں جلدی جلدی گھر آیا۔ پیاری بلاقن میرا رستہ دیکھ رہی تھی۔

بلاقن "آؤ بھائی آؤ۔ کہاں رہے؟"

بلبن ؔ۔ آپا نماز پڑھ کر وظیفہ پڑھنے لگا۔ کہ میری ذرا آنکھ لگ گئی۔"

بلاقن۔ (اپنے ساتھ لٹا کر) "بھائی جس عورت نے تمہاری بات لگائی تھی بلبن نے اُن کی تحقیق کی۔ لڑکی بڑی پیاری پیاری۔ اردو فارسی۔ انگریزی پڑھی ہوئی ہے بیشک وہ تمہارے لائق ہے۔ گو وہ لوگ غریب ہیں۔ مگر اصل اور ہڈی کے اچھے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ تمہارے ساتھ چل کر اماں جان سے تذکرہ کروں۔"

بلبن ؔ۔ اچھا آپا جان۔ پھر کل صُبح ہی چلو۔"

بلاقن "نہیں پرسوں چلیں گے۔ آج تم یہاں ہی رہو۔"

بلبن "نہیں نہیں۔ کل ہی چلو۔ اور اماں جان سے بلکہ ضرور تجویز کرو۔"

دوسرے دن صُبح اُٹھ کر بلبن ڈولی لایا اور زبردستی اپنے ساتھ بلاقن کو اپنے گھر لے آیا۔"

بلاقن کو گئے ہوئے صرف دو روز ہوئے تھے۔ یکایک جو اُسکی ڈولی اُتری اماں جان حیران ہوگئیں۔

بلاقن "اماں جان آج تمہارا جانِ عالم مجھکو زبردستی لایا ہے۔ بلبن نے رات کو ذکر کیا تھا۔ کہ تمہاری بات جہاں لگی ہے وہ ذات کے اصیل اور لڑکی شکل کی خوبصورت ہے۔"

والدہ "اے بُوا۔ سچ جانِ عالم کو شادی کا ایسا چاؤ چڑھا ہے۔ چلو پھر آج اُس کی دلھن کو دیکھ آئیں۔ وزیرن! وزیرن! جاؤ۔ کریمن کو کہہ آؤ کہ آج مرزا جی کے ہاں کی سواریاں لڑکی کو ملنے آویں گی۔"

وزیرن (فوراً روانہ ہوگئی۔ اور گھنٹہ بھر بعد آکر کہا) کہ بلبن لڑکی کو دیکھ آئی۔ کریمن نے چپکے سے دکھایا تھا۔ لڑکی تو بیگم صاحب بُرا نہ ماننا تم سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اُس کی ماں سے جب یہ کہا گیا۔ تو اُنہوں نے کہا۔ کہ سر آنکھوں پر آؤ۔"

والدہ۔ (تیننگا کر) اوئی بلبن بُڑھیا۔ وہ جوان۔ چل باتیں نہ بنا۔ پالکی تیار کروالا۔"

تھوڑی دیر بعد پالکی تیار ہو کر آئی۔ پیاری بُلاقن اور اماں جان روانہ ہوئیں۔ وزیرن کہاروں کیساتھ چلی وہاں پہلے ہی سے سامان ہوگیا تھا۔ پیاری صغرا چھپا دی گئی تھی۔ جونہیں اماں جان اُتریں۔ کریمن رحیمن اور صغرا کی ماں نے اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ والدہ صاحبہ اور بلاقن کی خوب خوب خاطریں ہوئیں۔ اور بہت اصرار کرنے سے میری پیاری صغرا ابھی اماں جان کو دکھا دی گئیں۔ اُس موہنی کو دیکھکر والدہ صاحبہ بھی عاشق ہوگئیں۔ تجویز ہوئی کہ اگلے اتوار کو منگنی کر دی جاوے۔ اور کوئی نیک تاریخ دیکھ کر شادی ہو جاوے۔ سہ پہر کو والدہ صاحبہ اپنے گھر آگئیں۔"

بلاقن "۔ لو میاں مبارک آج۔ ہم تمہاری بات پختہ کر آئے۔ اب کی اتوار کو منگنی اور مہینہ بیس روز میں شادی لو۔ لاؤ مجھے مشاطہ گری کا کیا دیتے ہو۔"

میں "۔ شرم سے گردن نیچے کر کے چپ ہو گیا۔"

والدہ "۔ نابوا۔ میرے بچے کو شرماؤ نہیں۔"

شام کو بلاقن جانے لگی۔ مگر اماں جان نے اسے روک لیا۔ دوسرے دن میں مدرسہ گیا۔ اور جب وہاں سے آیا تو بلاقن کے ہمراہ اس کے گھر چلا گیا۔ اور والدہ کو کہہ گیا۔ کہ شام کو واپس آؤں گا۔

میں نے تو دو دن بڑی مشکل سے کاٹے تھے۔ آج رات کو پیاری صغرا سے ملنے کا وعدہ تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کس طرح ملوں۔ اور گھر میں کیا بہانہ بناؤں۔ کہ اللہ نے بلاقن کیساتھ جانے کا بہانہ دیدیا۔ مہینے کی آخری راتیں تھیں۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں رات کے ۹ بجے بلاقن کے گھر سے چلا۔ پیاری کے دروازے کے پاس پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔

میں نے دروازہ میں قدم رکھا۔ اور کسی نے کہا بسم اللہ بسم اللہ۔ ع

اے آمدنت باعث آبادیٔ ما

اندھیرا گھپ ہو رہا ہے۔ یہ تو میری پیاری صغرا کی آواز ہے۔

میں "۔ پیاری صغرا۔ آج تم اوّل ہو۔ اور مجھے معلوم ہوا۔ کہ عشق کی جماعت میں تمہارا نمبر اوّل ہے۔"

صغرا "۔ دو روز بڑی مشکل سے گذرے ہیں۔ اور خاصکر آج کا دن۔ میں نے آج بیسیوں پھیرے ڈیوڑھی کے کئے ہیں۔ کہ اپنے جانی کو دیکھوں۔ شکر ہے کہ تمہاری شکل دکھائی دی۔"

میں۔ پیاری صغرا۔ میرا دن بڑی کٹھن سے کٹا ہے۔ آؤ پیاری کلیجہ سے ذرا لگ جاؤ۔"

یہ کہکر ہم دونوں گلے سے ملے۔ مگر پیاری صغرا یہ کہکر جلدی سے الگ ہو گئی۔ کہ جانی مرزا ایک غضب کی بات سن لو۔ اور مجھ کو مشورہ دو۔"

میں حیران ہوا کہ کیا معاملہ ہے۔

میں "۔ پیاری۔ خیر تو ہے۔ جلدی کہو جلدی۔"

صغرا "۔ پیارے۔ ابتک تو خیر ہے۔ آگے اللہ کو اختیار ہے۔"

میں :- پیاری انشاءاللہ یہی ہوگا۔ مگر خدا جانے سنا ہے کیا بات ہے؟"

صغرا :- کئی روز سے ایک جگہ سے میری بات آئی ہوئی ہے۔ شاید اُس کریمن نے لگائی ہے کل اُس جگہ سے دو عورتیں آئی تھیں۔ مجھ کو دیکھ گئیں۔ وہ مجھے دیکھ کر لٹو ہو گئیں اور خبر نہیں انہوں نے کیا جادو کیا کہ میری اماں بھی راضی ہو گئیں۔

پیارے میرا انعام۔ میں تو تمہاری ہی ہوں۔ ہائے اگر کسی اور کے ساتھ میری شادی ہوئی تو بس نہیں بی......"

یہ کہکر میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر رونا شروع کیا۔

میں :- پیاری ہوش کرو۔ سنو سنو۔ دیکھو۔ کوئی سُن نہ لے۔ روؤ نہیں۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔ کل جو آئی تھیں۔ وہ تو میری ہی ماہن تھیں"۔

صغرا :- آہا۔ اللہ نے ہماری تمہاری سُن لی۔ جانی مرزا۔ اس اتوار کو ہماری تمہاری منگنی......"

"ہوگی" نہ کہنے پائی تھی کہ صغرا پر شادی مرگ کی حالت طاری ہو گئی۔ قریب تھی کہ غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ میں نے اُسے چھاتی سے لگایا۔ اور کہا کہ پیاری ضبط کرو۔

صغرا نے خوشی سے میرے دو بوسے لئے۔ اور کہا کہ "شکر ہے نا۔ اکا۔ میں اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہوں"۔

ہم میں یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ اندر کسی کے کھنکار نے کی آواز آئی۔ صغرا نے کہا "ہائے ہائے ابا اُٹھے"۔

میں :- پیاری اللہ حافظ۔ میں جاتا ہوں۔ اب کب ملو گی۔؟

صغرا :- فی امان اللہ۔ پرسوں پھر اسی وقت"۔

اسطرح ایک دن بیچ دوسرے دن ہم ملتے رہے۔ دونوں کی محبت دن بدن زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ پیاری صغرا مجھ پر فریفتہ تھی اور میں اس پر شیدا۔ جس وقت ہم ملتے۔ ایک دوسرے کو گلے لگاتے۔ بوسے لیتے۔ اور جس وقت جدا ہوتے گلے لگتے اور ایک دوسرے کی پیشانی اور آنکھیں چوم کر اللہ حافظ کہتے۔ اور سرد آہیں بھرتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ ہوتے۔

آخر اتوار کا روز ہوا۔ ہماری منگنی کی تیاری کی گئی۔ پیاری بُلاقن ایک روز پہلے سے آئی ہوئی تھی۔ محلہ اور کنبہ کی چند عورتیں اکٹھی ہوئیں۔

زیور جو اس موقعہ کیواسطے بنوائے گئے تھے۔ اور مٹھائی اور ضروری سامان لے کر ہمارے ہاں سے عورتیں ... اور ڈولیوں میں بیٹھ کر پیاری صغرا کے ہاں گئیں۔ وہاں بھی ان لوگوں اپنی حیثیت سے زیادہ سامان کر رکھا تھا۔

ہمارے ہاں کے لوگوں کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ اور تمام رسمیں منگنی کی [illegible] ادائے ہوئیں۔

جب اِس کام سے فارغ ہوکر عورتیں ہمارے گھر آئیں۔ تو پیاری بلاقن نے مجھے بُلا کر کہا۔

بُلاقن "میرزا جی۔ مُبارک منگنی مُبارک دُلھن مُبارک۔ پھر شادی مُبارک۔ پھر بچے مُبارک"

گھر میں ہنسی کے مارے لوگ لوٹ لوٹ گئے۔ اور میں نہایت شرمندہ ہوکر وہاں سے بھاگنے لگا کہ پیاری بلاقن نے میرا ہاتھ پکڑا اور اماں جان کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔

بُلاقن "کیوں اماں جان۔ بھائی کی دُلھن کو جب زیور اور پھولوں کا گہنا پہنایا کیسی خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ اے ہے۔ جیسے کوئی گُڑیا بیٹھی ہو۔ سبحان اللہ اُس کے ماتھے پر جھومر کیسا خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ جیسے چودھویں رات کا چاند۔ قسم خدا کی۔ میں نے ایسی خوبصورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی"

جسوقت پیاری بُلاقن اپنے غنچہ دہن اور نازک لبوں سے میری پیاری کا حال بیان کر رہی تھی۔ میں نہایت خوش ہوتا تھا۔ اور دل میں کہتا تھا کہ یہ تو میری پیاری کے لاکھ وصفوں میں سے ایک ہے۔

وہ تو ماہِ بیداغ اور شمع بے دُود ہے۔

وہ تو اپنے صانع کا ایک نمونہ ہے۔

وہ عیب سے پاک اور بدی سے صاف ہے۔ اُس کے ساتھ کا معشوق تو آج تک دنیا کے پردے پر نہیں آیا۔

مگر بظاہر میں لجیا کر چپ ہوگیا۔ اور عورتوں کے سامنے سے بھاگ گیا۔

پیر کا روز آیا۔ جُوں توں کر کے شام ہوئی۔ یہ دن ہماری ملاقات کا تھا۔

یہ دو دِن تو دو برس کے موافق ہوگئے۔ رات کی نیند اور دن کا چین اُڑ گیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

جس کا دِل دِلبر میں ہو اُس کو کب آتی ہے نیند
کروٹیں لیتے ہی لیتے صاف اُڑ جاتی ہے نیند

رات کے ساڑھے آٹھ بجے میں گھر سے چلا۔ اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ٹہلتا پنڈت کے کوچے پہنچا دس کا عمل ہوگیا۔ گلیوں میں لوگ کم دکھائی دیتے تھے پیاری صغرا کا گھر تو بالکل ویرانہ میں تھا۔ وہاں تو آدم زاد کا نشان نہ تھا۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھا دروازے پر ہاتھ مارا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ ڈیوڑھی میں قدم رکھا۔ اندھیرا گھپ ہو رہا تھا میں ایک کونے کی طرف چلا۔ کہ جلدی سے کوئی پیچھے سے آن کر مجھے چمٹ گیا۔ ان نازک ہاتھوں کے قربان میری پیاری صغرا ہے۔

جانی سیدھے ہو کر گلے سے لگو۔

آ میری جان صغرا نے ایسا گھونٹ کر مجھے گلے سے لگایا۔ اور ایسا اختلاط ظاہر کیا۔ کہ میں حیران ہوگیا۔

میں اُس کے صدقے جاتا تھا۔ اور وہ میرے قربان ہو جاتی تھی۔

صغرا "میرے پیارے میاں۔ تمکو مُبارک ہو"

میں "میری جان بیوی۔ میری پری تم کو بھی مبارک ہو"

صغرا "پیارے میں نے یہ دو دن بڑی مشکل سے کاٹے۔ اور خاصکر آج کا دن۔ آج تیسرے پہر مہمان ہمارے گھر سے وداع ہوئے۔ اور سب گھر کے آدمی تھکے ماندے سویرے سے سو گئے۔ میں گھنٹہ بھر سے تمہارا راستہ دیکھ رہی ہوں"

میں "جانی۔ اگر میرا بس ہو۔ تو ہر وقت تمکو اپنی نظروں میں رکھوں۔ گو اب بھی تم ہر وقت میرے دل میں ہو۔ سے دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

پیاری۔ خدا کوئی دن کرے گا۔ ہماری شادی ہوگی۔ تم میرے گھر کا شب چراغ ہوگی میں تمہاری خدمت میں ہر وقت حاضر رہوں گا۔ کیوں پیاری۔ کیوں"

صغرا "ہاں۔ اللہ جلدی وہ دن لائے۔ میں تمہاری خادمہ ہوں گی۔ تمہاری خدمت اپنا فرض سمجھونگی۔ تمہاری خوشی میری خوشی ہوگی۔ تم میرے سردار ہوگے۔ اور میں تمہاری با..."

پیاری صغرا "باندی" نہ کہنے پائی تھی کہ میں نے اُسے گلے لگالیا۔ اور اسقدر بوسے لئے کہ میرے ہونٹ دُکھنے لگے اور میری پیاری کے گال۔ پیاری صغرا پر اس وقت رقت طاری ہوگئی۔ اُسکی آواز میں نرمی آگئی۔ اُسکا گلا گھٹنے لگا۔ اور وہ تقریباً بیہوش ہو کر مجھ سے

چمٹ گئی۔

معلوم ہوتا تھا کہ وہ خوشی کے اعلےٰ درجہ پر پہنچگئی ہے۔ اور اُس کے جذبۂ شوق نے اِس قدر زور کیا ہے کہ بخارات بن کر آنکھوں کی راہ سے نکلا ہے۔

میں "۔ پیاری۔ اپنے تئیں سنبھالو۔ مشکل کے دن گذر گئے ہیں۔ عیش کی گھڑیاں آنیوالی ہیں۔ مہینہ بیس روز میں تم میری آغوشِ محبت میں ہوگی۔ اور دنیا میں کسی کا خوف و خطر ہماری محبت میں ہارج نہ ہوگا۔ سنا پیاری سنا۔ جلدی جلدی اپنے بیاہ کی تیاری کروائو"۔

صغرا "۔ جانی مرزا میرے ماباپ غریب آدمی ہیں۔ وہ کیا شادی کی تیاریاں کرینگے۔ وہ تو بچارے اپنی گڑیا سنوار دینگے۔ بڑی ڈھیل تمہاری طرف سے ہے"۔

میں "۔ نہیں پیاری۔ ہمارے ہاں کچھ دیر نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کل ذکر ہورہا تھا کہ اگلے ماہ کی ۲ تاریخ کو وداع کرلادیں گے"۔

صغرا "۔ کیا جانی۔ کیا ۲ تاریخ۔ اور کُل بائیس دن باقی ہیں۔ پیارے تم دولھا بنوگے اور میں تمہاری ......"

"دلھن" نہ کہنے پائی تھی کہ نہانہ کے گھنٹے سے "ٹھن ٹھن" کی آواز آئی۔

صغرا "۔ یہ کیا بجا۔ سنو سنو۔ اوہو بارہ ۱۲ بج گئے"۔

میں "۔ بارہ ۱۲ نہیں۔ گیارہ ۱۱ ہوں گے"۔

صغرا "۔ نہیں پیارے ہمکو بہت دیر ہوگئی ہے۔ بارہ ہی بجے ہیں"۔

میں "۔ اچھا پیاری۔ اللہ حافظ"۔

صغرا "۔ جی تو نہیں چاہتا کہ تم کو آنکھوں سے علیحدہ کروں۔ مگر پیارے بدنامی کا خوف ہے۔ خدا رسول کے نزدیک ہمارا تمہارا پاک محبت سے ملنا کچھ گناہ نہیں۔ مگر دنیا بری ہے۔ اچھا پیارے جاؤ۔ اللہ حافظ۔ خدا نگہبان۔ پرسوں پھر ملنا"۔

مَیں تھوڑی دور گیا تھا کہ دروازہ میں سے میری پیاری نے آواز دی "ذرا سُننا"۔ میں جلدی جلدی اُس طرف گیا۔ پیاری صغرا نے کہا:-

صغرا۔ پیارے۔ چونکہ آجکل شادی کے دن ہیں۔ گھر میں مہمان آتے جاتے رہتے ہیں۔ دیکھنا اگر گھر میں کوئی مہمان آگیا۔ تو مَیں رقعہ تے کر باہر کی دہلیز میں اس جگہ مٹی سے ڈھک دونگی۔ جب تم آؤ۔ اور اگر دروازہ بند ہو۔ تو سمجھ لینا۔ کوئی سبب ہے۔ یہاں سے رقعہ نکال لینا مگر

پیارے پرسوں ضرور آنا۔ سُنا پیارے سُنا۔ یہ مَیں نے عاقبت اندیشی کی بات کہی ہے کہ جب تم آؤ۔ تو تمکو تکلیف نہ ہو۔"

مَیں "اچھا پیاری اچھا۔ ماشاءاللہ تم تو عقل کی پُتلی ہو۔ خوب سوچا۔"

پھر ہم نے ایک دوسرے کو چُوما۔ اور آہیں بھرتے ہوئے علیحدہ ہو گئے۔"

جب گھر پہنچا۔ تو ایک بجا۔ والد تو پوچھتے پوچھتے سو گئے تھے والدہ صاحبہ میرا انتظار کر رہی تھیں۔ مَیں نے گھر میں قدم رکھا اور والدہ صاحبہ نے کہا۔

والدہ "واہ بیٹے واہ۔ خوب پانؤں نکالے ہیں۔ رات رات غائب رہتے ہو۔ سبحان اللہ کل ہی تو تمہاری منگنی ہوئی۔ اور آج تم نے یہ لچھّن اختیار کئے۔ تمہارے ابا جان بڑے خفا ہو رہے تھے۔ جلتے سو گئے۔ لڑکی والوں کو اگر خبر ہو گئی کہ لڑکا راتوں رات باہر غائب رہتا ہے۔ تو وہ کیوں اپنی بیٹی دینے لگے۔ اُنکی بیٹی کوئی مفت کی تھوڑی ہے کہ کنوائیں میں دھکیل دینگے۔"

مَیں "اچھی اماں جان خدا کے لئے معاف کرو۔ ابا جان سے نہ کہنا۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین ہے۔ تو سچ جانو۔ کہ مَیں کسی بُری جگہ نہیں گیا تھا۔"

والدہ "اچھا بیٹا۔ بھئی تو ایک بجے تک کہاں رہا؟"

مَیں "بس یہ یقین کر لو۔ کہ کسی بُری جگہ نہیں گیا تھا۔"

پادریوں کی میٹنگ

میرے ساتھ مدرسہ میں ایک عیسائی لڑکا پڑھتا تھا۔ جس کا نام سولومن تھا۔ مسٹر سولومن کا باپ۔ قوم کا کھتری تھا۔ اور عیسائیوں کی صحبت میں رہنے کے سبب ایک جوان کرسچین لیڈی پر عاشق ہو کر عیسائی ہو گیا تھا۔ اُس کی ماں نہایت خوبصورت تھی۔ اور اس کی بہنیں تو بالکل پتلیاں معلوم ہوتی تھیں۔

مسٹر سولومن بذات خود بڑا رفیق دوست تھا۔ اور اُس کی ماں اور بہنیں تو محبت سے بھری ہوئی تھیں۔ مجھے اِن چھوکریوں سے بہت اُنس تھا۔ اور اس واسطے سولومن کے ساتھ اکثر دفعہ اُس کے گھر جایا کرتا تھا۔

سولومن کا باپ پادری تھا۔ اور بھوانی شنکر کی حویلی ... مشن کے احاطہ میں رہا کرتا تھا۔ اور یہ جگہ میرے مکان سے کچھ دور نہ تھی۔ بدھ کے روز کسی ہندو تہوار کی چھٹی تھی اور چونکہ ایک دن پہلے ہم کو اطلاع نہیں کی گئی تھی۔ اس واسطے ہم سب مدرسہ گئے اور مجھ کو سولومن اپنے ساتھ لے گیا۔

سولومن ۔ آؤ مرزاجی۔ آج تمہیں ایک تماشا دکھلائیں۔"

ہم دونوں مشن کے احاطہ کے اندر ایک بڑے کمرہ میں گئے۔

یہاں پر کچھ یوروپین اور دوغلے اور دیسی کرسٹان عورت مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اور سولومن ایک علیحدہ جگہ جا کر بیٹھ گئے۔

پادری صاحب نے کہا کہ آپ کا جلسہ کئی ضروری کاروبار کے سبب تین ماہ بعد منعقد ہوا ہے۔ ہاں پچھلی کارروائی پڑھی جاوے۔

ایک دوغلا کرسٹان اٹھا اور اس نے پڑھنا شروع کیا۔

ریورنڈ ایل۔ ایل کیمف پریزیڈنٹ۔ مس۔ جی۔ بی مون لدائٹ وائیس پریزیڈنٹ۔
مسٹر سی۔ ایس ہوپ سن۔ مس ایف۔ پی کیری سکرٹری۔
مسٹر سولومن۔ اینڈ مس مسیح وہی۔ اسسٹنٹ سکرٹری۔
مسز مسٹر عارف مسیح۔ مسٹر عابد۔ مسز فلر۔ مسٹر عارف مسیح۔ مسز عابد۔ مس گڈ بائی۔
مس نون۔ مس گلر وز وغیرہ وغیرہ ممبرز۔

سکرٹری نے پچھلی کارروائی یوں شروع کی:۔

(۱) صاحبان! ہمارے کام کو ہندوستان میں سینکڑوں برس گذر گئے۔ مگر سوائے چوہڑے چماروں کے شریف آدمی بہت کم عیسائی ہوئے ہیں۔ اس واسطے میں تجاویز پیش کرتا ہوں جو مجھ کو اپنے اور چند دوستوں کے تجربہ سے حاصل ہوئی ہیں۔ اُمید ہے کہ مجلس اس پر توجہ کرے گی۔

(الف) دیسی عیسائیوں کو سول سروس میں بھرتی کیا جاوے۔ دیسیوں کو تحریص ہو گی اور وہ سمجھیں گے کہ عیسائی بننے سے اُن کو اعلےٰ درجہ کی نوکریاں ملیں گی۔ نیز ان لوگوں کے مرتبہ کا اثر بھی غریب لوگوں پر پڑے گا۔

(ب) دیسی عیسائیوں کو جہاں تک ممکن ہو سررشتہ تعلیم میں داخل

کیا جاوے تاکہ بہت سے مسلمان طلباء اُن کی تقلید کریں گے کیونکہ قصداً طلبہ ہندوؤں کے

بننا چاہتے ہیں۔

(ج) دیسی عیسائیوں کو نہایت ہی زور لگاکر نابالغ رئیسوں اور نواب جادوں کا اتالیق بنایا جاوے۔ تاکہ ایک کے عیسائی ہو جانے سے اُس کے متعلقین سینکڑوں عیسائی ہو جاویں۔ جناب! آپ حیران ہونگے کہ میں نے کیوں دیسی عیسائیوں کی شرط لگائی۔ وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ جو ٹھیٹ یوروپین ہیں۔ ہمارے چال چلن۔ طور طریق۔ معاش۔ معاد کا اثر دیسیوں پر بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے رنگ۔ ہمارا لباس۔ ہمارا طریق معاش سب اُن سے علیحدہ ہے پس اگر ہمارا مذہب بھی اُن سے علیحدہ ہو تو وہ کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اُن کے ملک کے نمونے اُنکے سامنے پیش کرنے چاہئیں۔

(د) اکثر پبلک جلسے کئے جاویں اور اُن میں یوروپین عورتوں اور دیسی عیسائی چھوکریوں کو خوب ٹھکھ واکر شامل کیا جاوے۔ تاکہ حال کے نوجوان اُنکی نکھار اور آراستگی پر لٹو ہوں۔

(ہ) یوروپین اور دیسی عیسائی عورتیں شریفوں کے گھروں میں کثرت سے جاویں اور چھوٹی چھوٹی چھوکریوں کو پڑھاویں سکھاویں۔ اور موقعہ لگے تو پردہ سے نکال لاویں اور بھلاکر۔ پھسلاکر۔ دکھلاکر عیسائی بنائیں۔

سیکرٹری صاحب کی اِن تجاویز کی سب نے بڑی قدر کی۔ اور سب کے مشورہ سے صلاح ہوئی کہ:۔

مسٹر عابد مسیح۔ مسٹر گوپال مسیح۔ مسٹر عیسیٰ داس نے انگریزی فارسی اُردو میں عمدہ لیاقتیں بہم پہنچائی ہیں۔ سیشن ٹریننگ کیواسطے اُنکی سفارش کیجاوے۔ مسٹر جے دیال۔ مسٹر گلاب مسیح مسٹر گڈبائی نے اِس سال انٹرنس اور ایف اے کے امتحان پاس کئے ہیں۔ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب سے درخواست کیجاوے کہ اُن کو سرکاری مدرسوں میں ملازمت دی جاوے۔

مسٹر عارف۔ مسٹر مسیح دیال۔ مسٹر عیسیٰ سنگھ۔ مسٹر عبد المسیح۔ کل ٹھلی کے آدمی ہیں۔ اور عیاری اور طراری میں یکتا ہیں۔

راجہ صاحب جنم نگلہ۔ نواب صاحب بھگوان پور۔ سردار صاحب جے سنگھ پورہ۔ جاگیردار صاحب علی پور کی اتالیقی کیواسطے اُنکے لئے کوشش کی جاوے۔

تیسرے کام کے لئے ہمارے مشن کی سب لیڈیاں اپنے تئیں وقف کردیں۔

[illegible]

بعد ادائے شکریہ صاحب پریزیڈنٹ و سکریٹری جلسہ برخاست ہوا۔

صاحبان! یہ پچھلے جلسہ کی روئداد تھی۔ چار ماہ سے ہمارے مشن کو اسقدر کار و بار رہا ہے کہ ہم کوئی جلسہ نہ کر سکے۔ مگر خدا اور اُس کے بیٹے کے فضل سے ہمکو چار طرف سے کامیابی ہوئی اور یہ آج کا ہمارا جلسہ کامیابی ہی کامیابی ہے۔

جن لوگوں کو سِوَل سروس میں داخل کرانے کی تجویز کی تھی۔ ہمارے آنریبل لفٹنٹ گورنر اور معزز فنانشل کمشنر بہادر نے انہیں منظور کر لیا۔ اور اُن میں سے ایک تحصیلدار اور دو اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر فوراً بنا دیئے گئے۔

اس کا اثر بہت عمدہ ہوا۔ چنانچہ اس تین مہینہ کے عرصہ میں کئی ہندو مسلمان شریفوں کے بچے میرے پاس آئے ہیں کہ اگر ہم کو تحصیلدار یا ڈپٹی بنوا دو۔ تو ہم کرسچئین ہونیکو تیار ہیں مگر میں نے اُنکو جواب دیا کہ پہلے کرسچئین ہو کر لیاقت بہم پہنچاؤ۔ پھر کوشش کی جاویگی۔ چنانچہ دو لڑکے شریف ہندوؤں کے کرسچئین ہو گئے ہیں۔ اور انٹرنس کلاس میں پڑھتے ہیں اُمید ہے کہ مشن اُن کے واسطے سفارش کرے گا۔

نیز اِن لوگوں کے اعلےٰ عہدہ کا اثر عوام پر خوب پڑا ہے۔ جس کا بیان کرنا چنداں ضروری نہیں ہے۔

صاحبِ من۔ آج کا جلسہ اِسواسطے کیا گیا ہے کہ اس کامیابی پر ہز آنر لفٹنٹ گورنر اور صاحب فنانشل کمشنر بہادر کا شکریہ ادا کیا جاوے۔

سب نے یکزبان ہو کر اِس تجویز کی تائید کی اور یہ کام سکرٹری کے سپرد کیا گیا۔

دوسری تجویز یہ تھی کہ دیسی عیسائیوں کو سررشتہ تعلیم میں بھرتی کیا جاوے۔ اِس معاملہ میں ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن سے خط و کتابت ہوئی۔ صاحب ممدوح نے پہلے صاف جوابدیا کہ دیسی عیسائیوں کو داخل کرنے سے ہم کو مدرسہ جات کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ مگر پھر جب دوبارہ اُن کو توجہ دلائی گئی۔ تو اُنہوں نے نہایت شفقت سے منظور کیا۔ چنانچہ تینوں اشخاص داخل کئے گئے۔

اُن میں سے ایک انبالہ سکول کا ہیڈ ماسٹر۔ دوسرا لدھیانہ سکول کا سیکنڈ ماسٹر۔ تیسرا ہائی سکول ملتان کا تھرڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔

ان لوگوں کو مناسب ہدایات دی گئی کہ [illegible] کر دی گئی [illegible] اُن [illegible]

گیا اور اُن کو اچھی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ اُن لوگوں کی چٹھیاں جو آئی ہیں۔

وہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں :-

"جناب من۔

آپکی ہدایات پر عمل کرتا ہوں۔ اکثر بڑے طلبہ نے میرا طور طریق اختیار کر لیا ہے میں طلبہ کو اکثر اپنے پاس بلاتا ہوں اور انکو طرح طرح سے خوش کرتا ہوں۔ اور انکو حرص دلاتا ہوں۔ کہ عیسائیوں کو دین دنیا میں کتنی نعمتیں حاصل ہیں میں اپنی ساری تنخواہ لوگوں میں بانٹ دیتا ہوں صرف آپکی طرف سے جو پچیس روپیہ ماہوار ملتے ہیں اُس پر گذارہ کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد لڑکوں کی کھیپ کی کھیپ عیسائی کرنے کو آپ کے پاس بھیجوں گا۔

آپ کا تابعدار

الف۔ بی۔ جیہ یال"

دوسرا خط جو لدھیانہ سے آیا ہے۔ یہ ہے :-

"جنابمن۔ آپکی ہدائت پر عمل کرتا ہوں۔ مگر میرا عہدہ اس کام کیلئے مناسب نہیں کیونکہ ہیڈ ماسٹر ایک پکا متعصب ہندو ہے تاہم مجھ کو بہت کامیابی ہوئی ہے۔ بہت سے جوان لڑکے لباس تبدیل کرنے لگے ہیں۔ میں اپنی ساری تنخواہ غریب لڑکوں کو بانٹ دیتا ہوں۔ اکثر لڑکوں کو اپنے گھر پر مفت پڑھاتا ہوں۔ یہ دو لڑکے آپکی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ بالکل غریب ہیں اور تقریباً لاوارث ہیں۔ اُنکو حلقہ میں داخل کیجئے۔ فقط

آپ کا تابعدار

گلاب مسیح"

یہ لڑکے عیسائی کر لئے گئے۔ اور اسی احاطہ میں رہتے ہیں۔

تیسرا خط یہ ہے :-

"جنابمن۔ آپکی ہدایت پر عمل کرتا ہوں اتفاق سے مجھکو بہت عمدہ وسائل ہاتھ لگے ہیں۔ یہاں کا ہیڈ ماسٹر ایک شریف بڈھا یوریشین ہے۔ جو کام سے نا بلد ہے اُس کے ماتحت سب سیدھے سادے ہیں۔ [illegible] سب کام [illegible]

اپنے ہاتھ لے لیا ہے۔

اس کا اثر طلبہ پر اچھا پڑا ہے۔ اکثروں نے لباس تبدیل کر لئے ہیں بہت سے تو میرا جھوٹا کھانے سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ فقط

آپ کا تابعدار

الیف۔ ایم۔ گڈ بائی۔ (از ملتان)"

صاحبانِ من۔ کیا یہ کامیابیاں تھوڑی ہیں۔ مَیں مناسب سمجھتا ہوں کہ ڈائرکٹر صاحب کا شکریہ بھی ادا کیا جائے۔

سب نے کہا۔ مناسب ہے۔ اور یہ کام سکرٹری کے سپرد کیا گیا۔

تیسری تجویز میں ہم کو بہت دقتیں پیش آئیں۔ اور آپ یقین کریں کہ مَیں اور ہمارے معزز پریزیڈنٹ ریورنڈ کیمفر۔ ریلوں میں اِدھر اُدھر مارے پھرے۔ اور آخر سب جگہ سے ہم کو کامیابی ہوئی۔

ان لوگوں کی جو چٹھیاں آئی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(از جنم نھلہ)

"جناب من آپ کی ہدایت پر عمل کرتا ہوں۔ راجہ صاحب نابالغ ہیں۔ ان پر میرا جادو چل جانا کچھ بڑی بات نہیں۔ مگر اُنکے مصاحب بہت ہوشیار ہیں وہ سوائے پڑھانیکے وقت کے اُنکو مجھ سے ملنے نہیں دیتے۔ تاہم طبیعت میں کچھ فرق آیا ہے۔ مگر میں فکر میں لگا ہوا ہوں۔ فقط

آپ کا تابعدار

سی۔ ایس عارف"

دوسرا خط یہ ہے۔

(از بھگوان پور)

"جناب من۔ آپکی ہدایت پر عمل کرتا ہوں۔ نواب صاحب گو ابھی نابالغ ہیں مگر طبیعت کے بہت نیک اور شریف ہیں وہ میری بہت عزت کرتے ہیں۔ مگر اُنکے مصاحب سارے مولوی ہیں وہ ہر وقت میری طرف سے اُنکو سکھاتے پڑھاتے رہتے ہیں۔ تاہم بہت کچھ طبیعت میں فرق آگیا ہے۔ میرے خیال میں ایک چال آئی ہے اُمید ہے بہت کارگر ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ چند نوجوان خوبصورت عیسائی لڑکیاں

یہاں سے آپ آئیں۔ نواب صاحب اگر میرے کان پر بھی آ نکلے ہیں پھر ضرور انکا
جادو کچھ کام دے جائیگا۔ فقط آپ کا تابعدار

مسیح دیال"

تیسرا خط یہ ہے:۔

(راجے سنگھ پورہ)

"جناب من۔ سردار نابالغ ہے۔ اُس کا مینجر نالائق ہے۔ سب کام میرے ہاتھ میں ہے، مَیں صاحب ڈپٹی کمشنر سے اکثر ملتا ہوں۔ اور اکثر باتوں کی اناپ شناپ اُن سے رپورٹ کرتا ہوں۔ سب لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں۔

سردار نے لباس۔ قطع وضع سب بدل لیا ہے۔ اگرچہ ہندو ہے مگر اکثر میرا جھوٹا کھا لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ بعد بالغ ہونیکے عیسائی ہو جاؤں۔ گا۔ فقط

الراقم

ایف۔ پی۔ عیسے سنگھ"

چوتھا خط یہ ہے:۔

(راز علی پور)

"جناب من۔ جاگیردار گو جوان ہے۔ مگر ابھی قانوناً نابالغ ہے وہ ابھی سے کرسچین ہونے کو تیار ہے۔ کیونکہ وہ کرسٹان عورتوں پر مرتا ہے۔ مگر مینے اُسے ابھی سوک رکھا ہے جبتک بالغ ہو جاوے۔ وہ میرے جیسا لباس پہنتا ہے۔ اور میرے ساتھ ہی کھاتا ہے۔ کیا چند روز کیواسطے آپ مِسری سولومن کو یہاں بھیجیں گے فقط

آپ کا تابعدار

عبدالمسیح"

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ مسٹر سولومن چند روز کیواسطے اپنی عابد فریب بیٹی مِسری کو علیپور بھیج دینگے۔ کیونکہ جاگیردار بڑا خوبصورت ہے۔ اگر مِسری اُسکے دل چڑھ جاوے تو دونوں کے لئے اچھا ہے۔

کیوں مسٹر سولومن۔؟

مسٹر سولومن "کیا مضائقہ ہے"

صاحبان -

چوتھی تجویز کو ہمارے مشن کی بیاہی اور کنواری عورتوں نے بڑی عمدہ طور سے اداء کیا اور خوشی کی بات ہے کہ مسٹر سولومن کی بیٹیوں نے سینکڑوں نوجوانوں کے دل شکار کئے چنانچہ یہ نوجوان (میری طرف اشارہ کرکے) بیچارا انہیں کے نکاح کا گھایل اور ان کے دام نظر کا اسیر یہاں بیٹھا ہے - اگر یہ کرسچین ہو جاوے تو ہم ابھی مس سولومن کا نکاح اس سے کر دیں -

کیوں مسٹر سولومن ؟ -

مسٹر سولومن " بیشک - یہ اسی کے لائق ہے "

صاحبان سن !

پانچویں تجویز پر مسٹر عارف مس کیری - مس گڈ بائی نے ایک مدت سے عمل کر رکھا ہے - اس میں مس کیری بہت ہوشیار ہیں - مناسب ہے کہ وہ خود ہی اپنی رپوٹ سنا دیں - مس کیری اٹھیں -

الله خیر کرے - یہ تو وہی لیڈی ہے - جس کو میں نے اپنی پیاری صغرا کے ہاں جاتے دیکھا تھا " اور یوں گویا ہوئیں :-

" ہم تینوں نے شہر کے مختلف حصوں میں اپنا کام جاری کر رکھا ہے - اکثر شریف غریب لڑکیوں کو ہم پڑھاتی ہیں - ہم نے بہت سی جوان خوبصورت لڑکیوں کو اپنا مرید بنا لیا ہے اور ان کے خیالات بالکل بدل دیئے ہیں - چنانچہ کل میں ایک ہندو اور ایک مسلمان لڑکی کو چڑیا گھر دکھانے کے بہانے سے بھگا لائی ہوں - لڑکیاں اب تک خوش ہیں اور امید ہے کہ آپ ان کو میری اور سکرٹری صاحب کی مرضی پر چھوڑ دیں گے "

سب نے کہا - کہ " بہت اچھا "

پریذیڈنٹ صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد جلسہ برخاست ہوا -

ناگہانی آفت

مس کیری سے جب میں نے سنا کہ دو لڑکیوں کو بھگا لائی ہوں - میرا دل دھڑکنے لگا - یا خدا - یہ کمبخت شیطان کی خالہ میری پیاری صغرا کو نہ بھگائی ہو - اگر ایسا ہوا - تو میں

کیا آرزو تھی کہ کس طرح جیوں گا۔ لیکن ملاقات سے سامنا ہوگا۔ آج پیاری سے۔ ملنے کا دن تھا قریب گیارہ بجے کے مسٹر سولومن کے پاس سے آیا۔ سارا دن تڑپ تڑپ کر کاٹا۔ نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا۔ کسی سے موںھ سے نہ بولا۔

خدا کرے مس کیری کسی اور لڑکی کو بھگا کر لائی ہو۔

خدا کرے میری پیاری اُس کے دام میں نہ آئی ہو۔

وہ کہتی تھی کہ لڑکیاں خوش ہیں۔ بھلا میری پیاری صغرا میرے بغیر کس طرح خوش رہ سکتی تھی۔ نہیں وہ نہ ہوگی۔ کوئی اور ہوگی۔ ہاں ہاں اگر وہ بدن نوٹکرا کر مرجاتی۔ کیا اُسکو یاد نہ ہوگا کہ آج میری مُلاقات کا دن ہے۔"

رات کے آٹھ نہ بجنے پائے تھے کہ مَیں اپنے گھر سے چل پڑا۔ ٹہلتا ٹہلتا پنڈت کے کوچے پہنچا۔ تھانہ کے گھنٹے نے ۹ بجائے۔ مَیں پیاری صغرا کے دروازے پر پہنچا۔

آج تو اس دروازے پر غضب کی مایوسی چھائی ہوئی ہے۔ اے ہے۔ جیسے کتے لوٹتے ہوں۔ خدایا آج یہاں اُلّو کیوں بول گیا۔

آگے بڑھا۔ دروازے پر ہاتھ لگایا۔ کنڈی بند ہے۔ کیوں آج میری پیاری صغرا کیا سو گئی۔ شاید کوئی مہمان آگیا ہو۔ دلبر کی مٹّی چھان ماری۔ یہاں تو کوئی رقعہ نہیں پیاری صغرا۔ جانی صغرا۔ آج تم سو گئیں۔ کیا تم کو میری مُلاقات کا دن یاد نہ رہا۔

نہیں تم سو ہرگز نہیں سکتیں۔ ضرور شیطان کی خالہ نے تم کو بہکایا۔ تمکو دیونی اُڑا کر لے گئی۔ ہائے صغرا۔ ہائے صغرا۔

نہیں میری پیاری کیوں بھاگنے لگی۔ وہ دس بجنے کی انتظار میں ہوگی جب دس بجیں گے۔ وہ کُنڈی کھولیگی۔ مجھ کو ذرا انتظار کرنا چاہیئے۔ یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ ذرا اِدھر اُدھر ٹہل آؤں۔

ٹھن ٹھن تھانہ کے گھنٹے نے دس بجائے۔ آہا اَب جانی کا دیدار نصیب ہوگا۔ ہم دونوں گلے لگیں گے۔ محبّت اور شفقت سے ایک دوسرے کو چومیں گے۔ مَیں مس کیری کی شیطنت کا حال اپنی پیاری صغرا کو بتاؤں گا۔ اُس کے فریب سے اپنی پیاری کو آگاہ کروں گا۔

آہا۔ دروازہ کچھ کُھلا سا معلوم ہوتا ہے۔ اَب ضرور میری پیاری صغرا ڈیوڑھی میں ہوگی

قسم خدا کی آج صغرا کو لینے گئے [illegible]
آگے بڑھا - دروازے پر ہاتھ لگایا - دروازہ بند ہے - یہ کیوں پیاری صغرا کی آنکھ لگ گئی - اچھا آؤ - ذرا اور انتظار کرو - یا خدا یہ کیا مصیبت ہے - ہیں ہیں - یہ گیارہ بج رہے ہیں - انتظار کرتے کرتے میری تو آنکھیں پھٹ گئیں - دل بیقرار ہے - جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے - یا خدا -

یا دردِ دل کا دور ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

انتظار کرتے کرتے بارہ بجے - ہائے اب تو ملاقات کی کچھ اُمید نہیں - افسوس ملاقات بھی نہ ہوئی - اماجان سخت خفا ہوں گی -

قریب ایک بجے گھر آیا - ساری رات بے چین اور بے قراری سے کاٹی - رات بھر سوچتا رہا -

اور تجویز یہ سوچی - کہ کل کریمن سے حال دریافت کروں گا -

علے الصّباح کریمن کے گھر پہونچا - وہ تو ابھی سوئے ہی تھی - میں نے کنڈی کھٹکھٹائی مصر نے دروازہ کھولا - میں اندر گیا - سب لوگ حیران ہو کر جاگ اُٹھے -

کریمن "میاں مرزا - یہ کیا کیا - شادی سے پہلے ہی اپنی دلہن کو اُڑا کر لے گئے"

بلبل "ہیں ہیں - کیا کہتی ہو - کیسا اُڑانا - ؟

کریمن "کل سے تمہاری دلہن غائب ہے میم جو اُسے پڑھانے آتی ہے - کل اُسے چڑیا گھر دکھانے لیگئی تھی - پھر وہ ہرگز نہ لائی - لڑکی کا باپ جب شام کو میم سے پوچھنے گیا تو اُس نے دھتکار کر کوٹھی سے نکالدیا - اور کہا کہ میں تو وہیں پہنچا آئی تھی"

رحیمن - اے - ہے کبرا کہتی تھی - کہ وہ کسی یار سے رات کو باتیں کیا کرتی تھی - اُسی کے ساتھ بھاگ گئی"

بلبل "سچ سچ - سچ کہو - صغرا غائب ہے -

ہے ہے میری جان لے گیا کون
ہے ہے مجھے خار دے گیا ......"

سپیکولیٹر - "جان عالم رکون" نہ کہنے پایا تھا - کہ اُس کو غش آگیا - ہاتھ پیر ٹھنڈے

ہوگئے۔ آنکھیں پھر گئیں۔ اور ہچکیاں لینے لگا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بڑے صدمے نے اُس کی روح کو سخت تکلیف دے رکھی ہے۔

یار رسٹ پٹائی ایک جامع مسجد میں سے پانی لایا۔ ایک نے مٹی کا ڈھیلا سنگھایا۔ دو نے ہاتھ پیر ملنے شروع کیئے۔ اللہ اللہ کر کے جانعالم کو ہوش آیا۔

اتنے میں مُلا نے صُبح کی اذان دی۔ یار دل نے کہا کہ اب صُبح ہوگئی۔ آج کی رات تو معلوم بھی نہیں ہوئی۔ واقعی جانعالم کی کہانی بڑی دردناک ہے۔ باقی آیندہ سُنیں گے

اطلاع

یہ کتاب اور اس کے تمام حصص اور اس کے تمام مضامین جو اس کے اندر ہیں حسب ضابطہ رجسٹری ہو گئے ہیں۔ لہٰذا کوئی صاحب اس کو یا اس کے کسی حصّہ کو یا کسی جزو کو تغیّر و تبدّل نہ کرے نہ طبع کرے ورنہ دروازہ عدالت کھٹکھٹانا ہوگا قانونی سلوک ہوگا جس مطبع میں اس کا دوسرا ایڈیشن طبع ہوا تھا اُس کے مالک نے ...... فیس رجسٹری ہضم کر لی اور رجسٹری نہ کرائی اب اطلاع ہونے پر مطبع مُصطفائی کی طرف سے رجسٹری کرائی گئی۔ ہے اطلاعاً عرض ہے۔

العبد

ملک فضل الدین تاجر کتب قومی۔ بازار کشمیری لاہور۔ یکم جنوری ۱۸۹۸ء

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
فلورا فلورنڈا	۸/عہ	منصور اور موہنا	۶/	مطلوب حسیناں	۳/	مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی	۱/
فردوس بریں	عہ/	شہید وفا	۵/	ایک راز کی قیمت	عہ/	امریکہ کا بینا بازار	
اختر و حسینہ ہر دو حصہ	۸/عہ	زیادو حلاوہ ہر		ظالم و مظلوم ...	۹/	یا سیر شکاگو ...	۸/
جعفر اور عباسہ	۴/عہ	دو حصہ ...	۸/عہ	صلیبی جنگ ..	۶/	چار رفیق ...	۶/
شادی غم ..	۱۲/	دلربا ...	۴/	وکرم اروشی ناٹک	۳/	شماتت ہمسایہ	عہ/
عقد الجواہر	عہ/	نشتر ...	۶/	کانٹوں میں پھول	۳/	پرکالہ آتش ...	۱۲/
افشائے راز	۱۲/	کرنیل کی بیٹی ..	۴/	سونا بائی ...	۳/	عشق اور نہازم	۱۰/
خوبئے قسمت	۱۰/	غرور حسن ..	۴/	پدر کش ...	۴/	سیاہ و سفید ...	۴/
راز و نیاز ہر دو حصہ	عہ/	قزاق کی بیٹی ..	۴/	گلدستہ ...	۶/	افغانی چھرا ...	۱۰/
تارا	۱۲/	حمید و ریحانہ	۴/	خون ناحق ...	۵/	چاندنی اور اندھیرا	۱۳/
اورنگ زیب اور		شتر کینہ لڑکی	۴/	وفادار بی بی ..	۴/	خودکشی ...	۵/
چنچل کماری	۱۴/	مسٹریز آف راولپنڈی	۶/	حریص بی بی ..	۵/	اہل ہسپانیہ کا تازیانہ	۴/
تاثیر	۴/	مسٹریز آف پشاور		ایڈیٹر کی بیوی	۴/	بردہ فروش ...	۴/
حسرت وصل	۴/	ہر دو حصہ	۱۲/	اخبار نویسی سیکھنے	۳/	آپ بیتی ...	۴/
سلطان اور نازک ادا		مسٹریز آف کوہاٹ	۶/	اسرار ...		شادی بربادی	۵/
ہر دو حصہ ..	۸/عہ	مسٹریز آف کابل	۶/	انار کلی ...	۶/	انتقام شیطان	۸/
نئی نویلی	۳/	محروم وصل ..	۶/	کایا پلٹ یعنی پیر		چلبلا ...	۱/عہ
نشیب و فراز	۱۲/	عیار قلندر ..	۴/	نابالغ ...	۹/	شامت اعمال ..	۱۲/
دلچسپ ہر دو حصہ	۶/	انگلستان کا سفید غلام		ٹھگ کی بیٹی ..	۳/	سادھو کی کرتوت	۴/
درگیش نندنی	۴/	یا حسرت وصل	۶/	تخم بدی ...	۳/	آئینہ روزگار ...	۴/
ملک العزیز ورجنا	۶/	بغلی گھونسا ...	۴/	روح افزا بیگم ..	۳/	لاہور کے خوفناک اسرار	۱۲/
حسن وانجلینا ..	۶/	قاتل کون تھا؟ ..	۱۲/	پاشا کا انصاف	۱/	دکن ملکہ چاندبی بی	۱۲/عہ

عارف و زینب

یعنی محاربات پلونا معروف بکارنامہ غازی عثمان پاشا نوری ۱۸۷۵ء کی مشہور لڑائی ٹرکی و روس کی سچی تاریخ معرکہ پلونا کا ہو بہو نقشہ ترک جانبازوں کی دلیری غیرت روسیوں کی بزدلی نکمے امام پاشا کی بدزبانی غازی عثمان پاشا کی حمیت اور امیر حسن بہادر عارف کے کارنامے سلطان المعظم کی بیدار مغزی عارف و زینب کی درد بھری داستان غرضیکہ نہایت سچا اور درد بھرا دلچسپ تاریخی ناول ۱۲؍

بزم خیال

یہ ناول حال ہی میں تیار ہوا ہے اس قابل ہے کہ ہر ایک مہذب لائبریری اور ہر ایک معزز کتب خانہ میں موجود رہے اس کے پڑھنے سے بہت سی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بہت سے ناول آپ نے دیکھے ہونگے۔ مگر اس کی خوبی دیکھنے سے معلوم ہو جائیگی۔ قیمت - - - - - - - ۱۲؍

زبیدہ خاتون

ایک نہایت دلچسپ اور پر درد سچا واقعہ ناول کی صورت میں لکھا گیا ہے تیر و نشتر ہیں کلیجے سے باہر ہوئے جاتے ہیں اس کتاب کا ایک صفحہ دیکھ لینے سے بغیر ختم کئے کتاب کے آپ کوئی کام نہ کر سکینگے لکھنؤ کی شستہ زبان قیمت ۱۲؍

شام نرائن اور پاربتی

المعروف جھوٹا خاوند اور بڑی بیوی یعنی وہ دلچسپ قصہ جس میں ایک نوجوان ہندو لیڈی کی مصیبت اور مجبوری نامحرم رشتہ داروں کا لالچ لالچی برہمن کا واویلا جوانمرگی طالب علمی اور عشق دوستوں کی رفاقت - عشق اور مصیبت - پولیس کی تفتیش مردہ کا زندہ ہونا - بردہ فروشوں کی ناجائز کارروائیوں کا نقشہ حسن و عشق ایک لائق اور سچے عاشق کی بیتابی مہتر اور چمار کی بدمستی۔ قیمت ۱۴؍

طشت از بام

کتنا چھپایا راز محبت نہ چھپ سکا — افسانہ اُنکے عشق کا مشہور ہو گیا

جیسی کرنی ویسی بھرنی یا طشت از بام یعنی مقبول و لبریز دلدار دلربا وغیرہ جوان کنواری لڑکی اور نوجوان بیوہ عورتوں کا قصہ جسے مولوی احمد صاحب پاس لکھنوی نے اپنے بعض پنجابی احباب کی فرمائش سے ایک فرضی قصہ لیکر جوان لڑکیوں کو بٹھا رکھنے اور اُن کو بیحد ازلدی دینے والے اور پردہ کے مخالفوں کی فہمائش کے لئے تصنیف کیا قیمت . . . . ۶؍

شمشاد و سوسن

یہ بھی ایک دلچسپ ڈراما ہے جو بنگالی سے ترجمہ کرایا گیا پڑھتے پڑھتے لوٹ نہ جائیں تو کہنا قیمت . . ۸؍

اخلاقی ناول

یوسف و جمیلہ

یعنی

ایک طالب علم کی عجیب و غریب داستان۔ ایک شریف گھر کا نظارہ۔ سفید پوش کی غیاری۔ بڑھیا کی چیخ پکار۔ زاہد فریب جمیلہ کا بیہوش ہونا۔ محمد یوسف طالب العلم دہلی کو سبق حفیظہ کا جمیلہ سے محبت کرنا۔ حفیظہ کی جستجو۔ یوسف کا جمیلہ سے شادی کرنا۔ شب عروسی کی دلچسپ باتیں۔ رسم چوتھی کی چھیڑ چھاڑ۔ شادی بیاہ کے متعلق ہندوستان کی رسمیں۔ ساس کی دشمنی۔ تریا چلتر۔ ملاقات بند۔ یوسف کی مصیبت۔ دہلی سے رخصت۔ آگرہ میں چند روز ملازمت۔ حاسدوں کا حسد۔ قسمت کی گردش۔ کلکتہ کا دہلہ۔ تقدیر کا پلٹا۔ جمیلہ کا رنج و بلا میں مبتلا ہونا۔ تمام خاندان کا دکھ و مصیبت میں پھنسنا۔ یوسف کی بامراد واپسی گلے مل مل کر رونا۔ آب رفتہ باز آید بجو نقش تقدیر۔ غرض ناصح شفیق مصاحب ظریف رفیق بادانش ادیب لئیق دوست تجربہ کار فسانہ ہے۔ ایک ایک دفعہ پڑھ کر بار بار پڑھنے کو جی چاہے۔ اور ہر بار ایک نیا لطف دکھائے۔ قیمت ۶/

سجاد سنبل

ایک نہایت دلچسپ ڈراما ہے۔ پڑھتے جائیے اور خوش ہوتے جائیے گا۔ اگر زیادہ لطف دیکھنا ہو تو ایکٹ کرا کر دیکھئے گا۔ قیمت ۸/

مصنفہ علامہ دہر عبد الحلیم صاحب شرر **دلکش دو حصہ۔** مطلع۔ میرا آنچل چھوڑ دو

اُن طالب علموں اور کالج کے اعلیٰ تعلیم یافتوں کے حالات کا نقشہ دلکش دلچسپ ناول کے پیرایہ میں کھینچا گیا ہے۔ جب بچے والدین کی آنکھوں سے دور کالجوں اور سکولوں میں منچلا پن کر جاتے ہیں۔ اس ناول کے دو حصے ہیں۔ اگر دو صفحے مطالعہ کر کے سارا ناول ختم کرنے کا ولولہ پیدا نہ ہو تو حلف پر کتاب واپس قابل فرید ہے۔ قیمت ۱۴/

المشتہران

ملک فضل الدین ملک چنن الدین ملک تاج الدین تاجران کتب قومی

منزل نقشبندیہ

کوچہ میاں گاگر ـــ بازار کشمیری

لاہور

جس کتاب پر اشتہران کی مہر نہ ہوگی وہ مال مسروقہ ہے۔

This book is interesting novel than others

[illegible]

